

يَا اللَّهُ مَدُود

تَوْحِيد

او

شَرْكٌ کی حَقِيقَة

قرآن و محدثیت کی روشنی میں

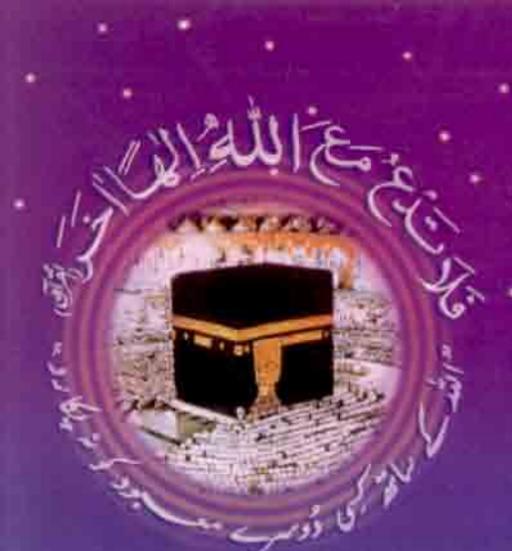
حافظ صلاح الدین یوسف

دارالسلام



ب

کتاب و نشرت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



بُلْ جوئی اشاعت برائے دارالسلام محفوظ ہے

دارالسلام

کتاب و متن کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دیاں • جدہ • شارجه • لامھور

لندن • ہیومن • فیوارل



پوسٹ نمبر: 22743: 11416: 1 سودی عرب

فون: 4021659: 1 00966 1 4043432-4033962: فیکس:

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa

Website: www.dar-us-salam.com

① ملین کمر۔ اشیان۔ اڑیش فون: 00966 1 4614483: فیکس: 4644945

② شارع ایضن۔ الملذ۔ اڑیش فون: 4735220: فیکس: 4735221

③ جدہ فون: 00966 2 6879254: فیکس: 6336270

④ الٹبر فون: 00966 3 8692900: فیکس: 8691551

لندن فون: 00971 6 5632623: فیکس: 5632624

کتابخانہ (کتب اسلامیہ و تاریخیہ مخطوط)

① 36-لزوال، گلزاریت ناٹ پالاہر

فون: 0092 42 7240024-7232400-7111023-7110081: فیکس:

E-mail: darussalampk@hotmail.com 7354072: فیکس:

② غزنی سرین، آردو بازار الہور فون: 7120054: فیکس: 7320703

③ آردو بازار گوجرانوالہ فون: 0092-431-741613: فیکس: 741614:

لندن فون: 0044 208 5202666: فیکس: 208 5217645

امیرکنڈا ① ہریان فون: 001 713 7220419: فیکس: 7220431

② نیویارک فون: 001 718 6255925: فیکس: 6251511

فہرست مصائب

7	عرض مصف
13	باب اول : لا إله إلا الله معنی و مطلب اور مقام و فضیلت
13	معنی و مطلب
15	”لا إله إلا الله“ کا تقاضا
15	”لا إله إلا الله“ کا مقام و مرتبہ
17	”لا إله إلا الله“ کی فضیلت
19	”لا إله إلا الله“ کے فائدہ مند ہونے کی شرائط
19	شرمات و برکات
22	محض زبان سے کلمہ پڑھنا کافی نہیں، اس کے تقاضوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے
24	ایک اور شبہ اور اس کا ازالہ
29	باب دوم : توحید کی حقیقت، قسمیں اور تقاضے
29	توحید ربویت
31	مشرکین اور توحید ربویت
32	توحید الوہیت
35	توحید الوہیت کے لوازم
37	توحید اسماء و صفات
40	توحید اسماء و صفات کے تقاضے
41	توحید بنوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے

46

باب سوم : شرک کیا ہے اور مشرک کون؟

47

دو خالق اور دو معبودوں کا عقیدہ، شرک کی پہلی قسم

48

شرک کی دوسری اور عام قسم

51

کیا مسلمانوں کو ان کے مشراکانہ عقائد کی وجہ سے مشرک نہیں کہا جا سکتا؟

56

کیا امت مسلمہ، شرک کا ارتکاب نہیں کرے گی؟

58

دیگر ارشاداتِ رسول کی روشنی میں زیر بحث نکتے کی وضاحت

67

مذکورہ تعلیمات کے مقابلے میں فاسد العقیدہ لوگوں کا طرز عمل

71

ما فوق الاسباب اور ما تحت الاسباب مدد مانگنے کا مطلب

74

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَمْ مطلب

77

باب چارم : استدلالات اور ان کا جائزہ

79

کیا بزرگان دین کو مدد کے لئے پکارنا شرک نہیں ہے؟

81

صحابہ و تابعین نے کسی بھی فوت شدہ کو کبھی نہیں پکارا۔

82

فوت شدگان سے استغاثہ کرنا اور ان کا وسیلہ پکڑنا جائز نہیں

84

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

85

علامہ آلوی بغدادی کی وضاحت

86

وسیلے کی جائز صورتیں

89

ناجائز اور ممنوع وسیلہ

92

ضم پرست مشرکین بھی فاعلِ حقیقی اللہ ہی کو مانتے تھے۔

93

قوم نوح کے پانچ بنت، بھی دراصل اللہ کے نیک بندوں ہی کے نام تھے

94

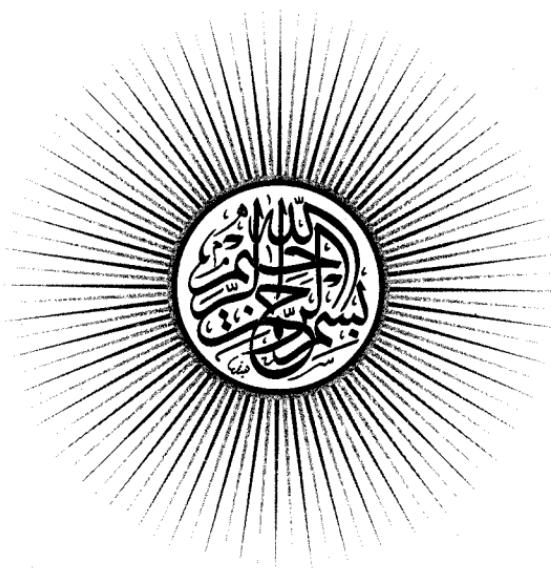
بے خبر مسلمانوں کا شرک... بزرگان دین کی تصریحات

95

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

95	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
96	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
97	فقہ حنفی کی صراحت (قبوں پر کئے جانے والے کام حرام ہیں)
98	فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ
99	اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنا کفر ہے
100	یا شیخ عبدالقدار شیناً لِلَّهِ کیوں ناجائز ہے؟
102	قبر پر ستون کا شرک صریح، ایک نمونہ
104	کیا غائب کو پکارنا شرک نہیں؟ واقعہ یا سارینہ الجبل؟
105	ایک مجھول الحال آدمی کے خواب سے استدلال
107	”الادب المفرد“ کی ایک روایت سے استدلال اور اس کی حقیقت
111	عبادت کے کہتے ہیں اور معبد کون ہوتا ہے؟
114	ایک اسکر کا تجزیہ، ایک دعائے بلا دلیل
116	بسم اللہ کی باء سے استمداد لغیر اللہ کا جواز؟
118	ہماری گزارشات





عرض مصنف (طبع دوم)

○ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (القمان: ۳۱/۱۲)

”یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

○ جو شخص شرک کرتا ہوا مر گیا، زندگی میں اس نے شرک سے توبہ نہیں کی، تو قیامت کے دن اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرِكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾

(النساء: ۴۸/۴)

”بلاشہ اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، البتہ اس کے علاوہ گناہ، جس کے لئے چاہے گا، معاف فرمادے گا۔“

○ شرک پر اللہ نے جنت کو بیش کے لئے حرام کر دیا ہے۔

﴿إِنَّمَا مَن يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ﴾ (المائدہ: ۵/۷۲)

”بلاشہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جنم ہے اور ظالموں (شرکوں) کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔“

○ شرک کا کوئی عمل مقبول نہیں، اس کے سارے اعمال برباد ہوں گے۔

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبِطَنَ عَمَلَكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْخَنِسِينَ﴾ (الزمر: ۳۹/۶۵)

”یقیناً آپ کی طرف اور آپ سے پسلے (پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر) کی طرف یہ وحی کی گئی کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا، تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم

نقسان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔“

● ایک اور مقام پر اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر کر کے اللہ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا الْحِيطَانَهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الأنعام ٦٨)

”اور اگر ان سے شرک کا ارتکاب ہو جاتا تو ان کے سارے عمل اکارت جاتے۔“

انبیاء علیهم السلام سے شرک کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا، اس کے باوجود اللہ نے پیغمبروں کا نام لے کر حتیٰ کہ سید الرسل، خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ علیہ السلام سے خطاب فرمائے کہ شرک کی بابت یہ اعلان فرمایا کہ شرک سے سارے عمل برپا ہو جائیں گے۔ مطلب پیغمبروں کی امتیوں کو اور آخر میں آخری امت۔ امت محمدیہ۔ کو تنبیہ کرنا ہے کہ شرک نہایت خطرناک عمل ہے جو اس میں ملوث ہو گیا، وہ تباہ و برپا ہو گیا۔ اسی لئے ایک حدیث میں نبی علیہ السلام نے حضرت معاذ کو ایک وصیت یہ فرمائی تھی:

«لَا تُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَحْرَقْتَ» (مسند احمد: ٥/ ٢٣٨)

”اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، اگرچہ تجھے قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے.....“

لیکن ہمارے معاشرے میں، شرک کی بابت اتنی صراحتوں کے باوجود ”یا علی مدد“۔ ”یا رسول اللہ مدد“۔ ”آغٹنی یا رسول اللہ“ ”اللہ کے رسول“ میری مدد فرمائے ”اُذرِکنی یا رسول اللہ“ ”اے اللہ کے رسول مجھے سارا دیکھئے!“ ”اُذرِکنی یا صاحب الزمان“ ”اے زمانے کے مالک میرا دست و بازو بن جا“ وغیرہ نظرے و رو زبان رہتے ہیں۔ آخر الذکر نعرو شیعہ حضرات میں بڑا مقبول ہے، صاحب الزمان سے مراد ان کے امام عاشب ہیں جسے مهدی منتظر بھی کہا جاتا ہے۔ بعض مجددوں میں یہ طفری لکھا ہوا ہے۔

یا رسول اللہ! اُنظُرْ حَالَنَا یا رسول اللہ! إِنْسَمَعْ قَالَنَا

إِنِّي فِي بَخِرِ الْغَمَّ مُغْرِقٌ خُذْ بِيَدِنِ سَهْلٌ لَنَا أَشْكَالَنَا

”اے اللہ کے رسول، ہمارا حال دیکھئے، اے اللہ کے رسول! ہماری بات سنئے! میں غم

کے سمندر میں ڈوبا ہوں، میرا ہاتھ پکڑیے اور ہماری مشکلات آسان فرمائیے!“

اسی طرح بہت سے اصحاب القبور اور فوت شدہ بزرگوں سے بھی مدد طلب کی جاتی

ہے۔ جیسے شیخ عبدالقدار جیلانی رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ یا شیخ عبدالقدار شیخ اللہ علیہ السلام کیلئے مجھے کچھ دیں” یا کہا جاتا ہے۔

امداد کن امداد کن در دین و دنیا شاد کن
از قید و بند غم آزاد کن یا شیخ عبدالقدار

”امداد کر! امداد کر! ہمیں دین و دنیا میں خوش کر غموں کی قید سے ہمیں آزاد کر!“ اے
شیخ عبدالقدار!

یہ اور اس قسم کے بہت سے نفرے، اشعار اور استغاثے کے کلمات ہیں، جو نشر کا نہ
ہیں، لیکن سب میں اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود
عوام میں یہ نفرے اور دعا یہ کلمات عام ہیں۔

اس کی ایک وجہ تو عوام کی جمالت ہے، وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ دین کیا اور اس کی
اصل حقیقت کیا ہے؟ توحید کیا اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ شرک کیا اور کن کن باتوں میں
شرک کی آمیزش ہے؟ اور ان کے ارتکاب سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے؟

دوسری وجہ، ان کے علماء کے وہ مخالف طے ہیں، جن کے ذریعے سے انہوں نے عوام کو
مختلف عنوانات سے شرکیہ عقائد و اعمال میں بیٹلا کیا ہوا ہے۔ کبھی اسے ”عشق رسول“ اور
”محبت اولیاء“ کا عنوان دیا جاتا ہے، کبھی اسے وسیلہ قرار دے کر اس کا جواز مہیا کر دیا جاتا
ہے اور کبھی شرک کو صرف پھر کی مورتیوں کے ساتھ مخصوص کر دیا جاتا ہے، اور کبھی کہ
دیا جاتا ہے کہ مسلمان سے شرک کا ارتکاب ہو ہی نہیں سکتا، حتیٰ کہ بعض اہل توحید بھی یہ
کہنے لگ گئے کہ قبر کے پیjarی، اگرچہ فنا و عقیدہ کا شکار ہیں، لیکن انہیں مشرک نہیں کہا
جا سکتا۔ گویا بقول حالی، یوں کہا جاسکتا ہے۔

جو ثہرائے بیٹا خدا کا تو کافر کرے غیر گربت کی پوجا تو کافر
کو اکب میں مانے کر شمہ تو کافر کرے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مالکیں دعائیں مزاروں پر دن رات نذریں چڑھائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگزے نہ ایمان جائے

گویا مسلمانوں کا ایمان اتنا پختہ ہے کہ چاہے ان کے عقائد و اعمال بھی اتنے ہی مشرکانہ ہوں جیسے مشرکین مکہ کے تھے یا دوسرے مشرکوں کے ہو سکتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ مسلمان کے مسلمان اور موحد کے موحد ہی ہیں۔ یہ تو وہی یہود و نصاریٰ والی بات ہوئی، کہ انہوں نے مشرکانہ اور اللہ کو ناراض کرنے والے عقائد و اعمال اختیار کر لئے، لیکن دعویٰ وہ یہی کرتے رہے:

﴿خَنِّمْ أَبْتَكْنَا اللَّهُ وَأَحْبَتْكُو﴾ (المائدة: ۱۸/۵)

”هم اللہ کے بیٹے اور اس کے چیزیں ہیں۔“

یہی حال اب مسلمانوں کا ہے۔ انہوں نے بھی شرکیہ عقائد و اعمال اختیار کر لئے ہیں، لیکن ان کے احبار و رہبان اور مشائخ ان کو یہی باور کرا رہے ہیں کہ تم تو مسلمان ہو، تم مشرک کس طرح ہو سکتے ہو؟ تم تو اللہ کے محظوظ کی محظوظ امت ہو، تم جسمی کیوں کر ہو سکتے ہو؟ جسم تو مشرکوں کا مقدار ہے، تمہارے لئے توجہت اور اس کی نعمتیں ہیں۔

یوں یہ لوگ اللہ کو (انعوذ بالله) ظالم اور غیر منصف باور کرنا چاہتے ہیں کہ وہ جن مشرکانہ عقائد و اعمال کی وجہ سے غیر مسلم قوموں کو جہنم کا ایندھن بنائے گا، مسلمانوں کو وہ انسی ناالنصافی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں، عادل ہے۔ قیامت کے دن وہ بے لگ عدل و النصاف کا اہتمام فرمائے گا، وہ مشرک کو کبھی جنت میں داخل نہیں فرمائے گا، چاہے اس کا تعلق کسی بھی نسل اور مذہب سے ہو گا۔ وہاں نسل اور مذہب ہی

نسبتوں کی بنیاد پر فیصلے نہیں ہوں گے، بلکہ صرف عقیدہ و عمل کی بنیاد پر ہوں گے۔ وہ عقیدہ و عمل جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ قرآن اور آپ کے بیان کردہ عقیدہ و عمل کے مطابق ہو گا اور آپ سے پہلے لوگوں کا عقیدہ و عمل سابقہ انبیاء کے بتائے ہوئے عقیدہ و عمل کے مطابق ہو گا۔

اس لئے ضروری ہے کہ توحید اور شرک کی اور ان مغالطوں کی حقیقت سمجھی جائے جو ان دونوں کو گذئہ کرنے والے ہیں تاکہ مسلمان توحید کو اپنائیں، جس میں نجات ہے اور شرک سے بچیں، جس کی سزا جنم ہے۔ اسی بنیادی ضرورت کے پیش نظر یہ رسالہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اس میں سب سے پہلے کلمہ طیبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا معنی و مفہوم اور اس کے تقاضوں کو واضح کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں توحید کی حقیقت اور اس کی قسموں کا بیان ہے۔ تیرے باب میں شرک کی حقیقت، اس کی قسموں اور مظاہر کی تفصیل ہے۔ چوتھے باب میں ان مغالطوں کی وضاحت ہے، جن سے شرک کا جواز میا کیا جاتا ہے یا کم از کم ان سے شرک کی حوصلہ افرائی ہوتی ہے۔

یہ مغالطے بڑے عام ہیں اور مختلف نوعیت کے ہیں، اس لئے ان پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے، تاکہ توحید کی حقیقت پوری طرح تکھر کر سامنے آجائے۔ کیونکہ ظلمت شب کے دور ہونے پر ہی صبح روشن کا آجالا پھیلتا اور نمیاں ہوتا ہے۔

بیان میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہتے

ایک وضاحت: کتاب کے مختلف ابواب الگ الگ موقع پر تحریر کئے گئے ہیں، اس لئے ان میں بعض چیزوں کی تکرار محسوس ہوگی۔ اسی طرح مختلف مغالطوں اور پہلوؤں کی وضاحت میں بھی تکرار کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ بنابریں قارئین اس تکرار کو برداشت کرس۔ علاوہ ازیں تکرار بعض جگہ مفید اور ناگزیر ہوتی ہے، اس لئے یہ تکرار نکتہ، توحید کی وضاحت اور فہم میں ان شاء اللہ مدد ہی ثابت ہوگی۔ علاوہ ازیں اس ایڈیشن میں متعدد

اضافے کئے گئے ہیں جن میں فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان حفظہ اللہ کے
”محاضرات فی العقیدۃ والدعاۃ“ سے خاص استفادہ کیا گیا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

(حافظ) صلاح الدین یوسف

میر شعبہ تحقیق و تصنیف، دارالسلام، لاہور۔

رجب ۱۴۲۲ھ - اکتوبر ۲۰۰۱ء



باب : اقل

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ معنی و مطلب اور مقام و فضیلت

معنی و مطلب : لَا إِلَهَ میں لَا، لائے نفی جنس ہے اور إِلَهَ اس کا اسم ہے اور خبر مذوف ہے، یعنی لَا إِلَهَ حَقٌّ (نہیں ہے) کوئی معبد برحق (اللَّهُ عَزَّ ذَلِكَ) یہ خبر (حَقٌّ) سے استثناء ہے۔ إِلَهَ کے معنی ہیں، وہ ذات جس کی عبادت میں دل وارفتہ ہو۔ یعنی اسی کی طرف دل مائل ہوں اور حصولِ نفع یا دفع ضرر کے لئے اسی کی طرف رجوع اور رغبت کریں۔ یہ کلمہ اثبات اور نفی دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ تمام مخلوقات سے الوہیت کی نفی اور اللہ کے لئے الوہیت کا اثبات۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی معبد برحق ہے اور اس کے سوا، مشرکین نے جتنے بھی معبد بنارکھے ہیں، سب باطل ہیں۔

﴿ذَلِكَ يَأْبَى اللَّهُ هُوَ الْحَقُّ وَأَبَى مَا يَنْدُعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَنَطُلُ﴾ (الحج ۶۲/۲۲)

” یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں، باطل ہیں۔“ یہ ترکیب، جس میں پہلے نفی ہے اور پھر اثبات، ثابت ترکیب اللَّهُ إِلَهٌ (الله معبد ہے) سے زیادہ بلیغ، مؤثر اور مفہوم کو زیادہ واضح کرنے والی ہے۔ اس لیے کہ ثابت ترکیب، اللہ کی الوہیت کا اثبات تو کرتی ہے لیکن ماسوی اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کرتی۔ جبکہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی ترکیب، الوہیت کو صرف اللہ کے لیے خاص اور دوسروں کی الوہیت کی نفی کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جمال بھی اللہ کی عبادت کا حکم ہے تو بالعموم ساتھ ہی غیروں کی عبادت کی نفی بھی ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ﴾ (النساء / ٤٣٦)

”اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھراو۔“

﴿ فَمَن يَكْفُرُ بِالظَّلْغُوتِ وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعِرْفَةِ الْوَقِيقَى لَا أَنْفِصَامَ لَهُ ﴾ (البقرة / ٢٥٦)

”تو جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے یقیناً مضبوط کڑا تھام لیا جس کے لیے ٹوٹا نہیں ہے۔“

﴿ وَلَقَدْ يَعْثَنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِّي أَعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنَبْنَا الظَّلْغُوتَ ﴾ (النحل / ١٦)

”اور یقیناً ہم نے ہرامت میں ایک رسول بھیجا (جس نے یہی پیغام دیا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو!“

طاغوت کیا ہے جس سے نکلنے کا حکم ہے؟ اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت یا اطاعت کی جائے وہ طاغوت ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اللہ کی عبادت و اطاعت کے ساتھ طاغوت کی عبادت سے انکار اور اجتناب کیا جائے اور حدیث میں بھی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ، حَرُومَ مَالُهُ وَدَمُهُ» (صحیح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس...، ح: ٢٣)

”جس نے کہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے، ان سب کا اس نے انکار کیا، تو اس کا ممال اور جان محفوظ ہو گیا۔“

اور ہر پیغمبر نے بھی اپنی قوم کو یہی پیغام دیا:

﴿ أَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٖ غَيْرُهُ ﴾ (الأعراف / ٧٥٩)

”اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“

اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ سے کہا کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار کر لو، تو انہوں نے کہا:

﴿ أَجْعَلَ الْأَطْمَةَ إِلَهًا وَجِدًا إِنَّ هَذَا لَشَفَقٌ عَجَابٌ ﴾ (ص: ٥/٣٨)

”کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنادیا ہے؟ یہ تو یقیناً بڑی ہی تجھب انگیز بات ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ اس کلمے کے اقرار کا مطلب ایک اللہ کی عبادت اور تمام بتوں کی عبادت کی نفی ہے۔ اور یہ بات ان کو پسند نہیں تھی۔ اسی لیے اس کے اقرار سے انہوں نے گریز کیا۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا تقاضا : بہرحال ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا معنی و مطلب کا تقاضا یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے تمام خود ساختہ معبودوں کی نفی کی جائے۔ چاہے وہ بتوں کی شکل میں ہوں یا شمس و قمر ہوں۔ اجوار و اشجار ہوں یا قبوں اور مزاروں کی شکل میں ڈھلی ہوئی قبریں ہوں۔ اللہ واحد کی عبادت تب ہی متفق ہو گی جب ان سب کی نفی ہو گی۔ اس نفی اور انکار و تردید ہی میں توحید کا اثبات ہے۔

اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں، ’کسی کی تردید نہ کرو‘ صرف مثبت انداز میں اپنا موقف و مسلک اور نقطہ نظر بیان کر دو۔ کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہمیں سبق دیتا ہے کہ صرف حق کا اثبات ہی کافی نہیں ہے، بلکہ باطل کی تردید و تغییط بھی ضروری ہے، اس کے بغیر حق نہیں اور نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ جیسے سورج کی روشنی تب ہی واضح ہوتی ہے جب رات کی تاریکی اپنا دامن سمیٹ لیتی ہے۔ رات کی تاریکی میں سورج اپنی تابنا کیاں بکھرنے سے قاصر رہتا ہے۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا مقام و مرتبہ : اس کلمہ طیبہ کے مقام و مرتبہ کو واضح کرتے ہوئے امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یہی کلمہ ہے جس کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں، تمام مخلوقات اس کی وجہ سے پیدا کی گئی، یہی پیغام دے کر اللہ نے اپنے تمام رسول بھیجے، اپنی کتابیں نازل اور اپنی شریعتیں مقرر فرمائیں۔ اسی کے لیے قیامت کے دن ترازو نصب ہوں گی اور رجڑ (اعمال نامے) رکھے جائیں گے، اسی کلمہ کا نتیجہ جنت اور دوزخ کا وجود ہے، اسی کی وجہ سے مخلوق، مومن اور کافر دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے، یہی خلق و امر الٰہی

اور ثواب و عقاب کا مفہا ہے، اسی کی بابت سوال اور حساب ہو گا اور اسی پر ثواب و عقاب ہو گا، اسی کی بنیاد پر قبلہ مقرر کیا گیا اور ملت کی تائیں عمل میں آئی، اسی کی خاطر میدان جہاد میں تواریں میانوں سے باہر آئیں۔ یہی تمام بندوں پر اللہ کا حق ہے، یہی کلمہ اسلام اور کلید دار اسلام (جنت) ہے، اسی کی بابت اقل و آخر تمام انسانوں سے باز پرس ہو گی۔ اور کسی کو اللہ کے سامنے سے جبکش کرنے کی ہمت نہیں ہو گی جب تک دو بالتوں کی باز پرس اس سے نہیں کر لی جائے گی۔

① تم عبادت کس کی کرتے رہے؟

② اور پیغمبروں کو تم نے کیا جواب دیا؟

پہلے سوال کا جواب ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار و اعتراف اور اس کے مطابق صرف اسی کی عبادت اور اطاعت و انقیاد ہے اور دوسرے سوال کا جواب ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ كی معرفت“، اس کا اقرار اور اس کے مطابق عمل ہے۔” (زاد المعاوٰ / ۳۲)

یہی کلمہ کفر و اسلام کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار و اعتراف کر لیتا ہے، وہ مسلمان اور جو اس کا اقرار نہیں کرتا وہ کافر ہے اور جو مسلمان ہے، اس کی جان و مال قابل احترام ہے، کسی دوسرے مسلمان کو اس کی جان یا مال پر دست درازی کرنے کی اجازت نہیں ہے اور جو کافر ہے اس کی جان و مال باطل ہے یعنی لڑائی کے موقع پر مسلمانوں کے لیے اس کی دونوں چیزیں حلال ہیں۔

الله تعالیٰ نے اسی کلمے کی خاطر انسانوں اور جنوں کو پیدا فرمایا۔ جیسے قرآن میں ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ ﴾ (الذاريات ۵۶/۵۱)

”میں نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔“

اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اسی مقصد تخلیق کا سر نامہ اور عنوان ہے۔ تمام رسولوں کی بعثت کا مقصد اور غایت اولیٰ بھی یہی کلمہ طیبہ ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحَى إِلَيْهِ أَنَّهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾ (آل‌آلیاء ۲۵/۲۱)

(الأنبياء ۲۱/۲۵)

”اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا، اسے یہی وحی کی کہ معبود صرف میں ہی ہوں اس لئے تم میری ہی عبادت کرو۔“

اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دین میں اور حیات انسانی میں اس کلے کی کتنی اہمیت ہے۔ یہی بندوں کے ذمے پہلا فرض ہے، اس لئے کہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر تمام اعمال کی عمارت اُستوار ہے۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی فضیلت : اس کلے کی فضیلت حسب ذیل احادیث سے واضح ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الذِّكْرِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ: الْحَمْدُ لِلَّهِ» (جامع

الترمذی، الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة، ح: ۳۳۸۲)

”فضل ذکر“ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے اور ”فضل دعا“ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں ہے:

«خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمَ عَرَفةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالثَّيِّبُونَ مِنْ

قُبْلِيٍّ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ» (جامع الترمذی، الدعوات، باب في دعاء يوم

عرفة، ح: ۳۵۸۵)

”بہترین دعا عرفے کے دن کی دعا ہے اور بہترین بات“ جو میں نے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں نے کی، وہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہی اور حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

تیری حدیث، جس کا تعلق قیامت کے دن کے حساب کتاب سے ہے، اس سے بھی اس کلمہ طیبہ کی فضیلت کا اثبات ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میرے ایک امتی کو بر سر خلافت نجات عطا فرمائے گا، اللہ ننانوے رجڑ اس کے سامنے کھوں کر رکھ دے گا، ہر رجڑ کا طول و عرض حد نگاہ تک ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کہے گا! کیا تو اس میں درج باتوں میں سے کسی کا انکار کرتا ہے؟ یا تیرے خیال

میں میرے لکھنے والے محافظین نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ وہ امتی کے گا: نہیں، اے میرے رب! اللہ فرمائے گا: کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کے گا: نہیں، اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں، ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے، بلاشبہ آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے گا جس میں یہ درج ہو گا۔ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ کے گا: دونوں کا وزن کیا جاتا ہے، تو دیکھ! امتی کے گا: اے میرے رب! اس ٹکڑے کی ان رجڑوں کے سامنے کیا حیثیت ہے؟ اللہ فرمائے گا: تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پس سارے رجڑ ترازو کے ایک پڑے میں رکھ دیئے جائیں گے اور کلم شادوت والا کاغذ کا ٹکڑا دوسرے پڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ لیکن قطعہ کاغذ والا پڑا بھاری اور رجڑوں والا پڑا ہلکا ہو جائے گا۔ (اس لئے کہ) اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔” (ترمذی، الایمان، باب ماجاء فیمن یموت و هو یشهد ان لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، حدیث: ۲۶۳۹)

ایک اور حدیث میں ہے، ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت نوح عليه السلام نے اپنے بیٹے کو دو باتوں کی وصیت فرمائی، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ میں تجھے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا حکم دیتا ہوں۔ پھر اس کی درج ذیل فضیلت بیان فرمائی۔

«فَإِنَّ السَّمُوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضِينَ السَّبْعَ لَوْ وُضِعَتْ فِي كِفَةٍ وَوُضِعَتْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي كِفَةٍ رَجَحَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَوْ أَنَّ السَّمُوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضِينَ السَّبْعَ كُنَّ حَلْقَةً مُثْبَهَةً قَصَمَتْهُنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» (مسند أحمد: ۱۷۰/۲ و سلسلة الأحاديث الصحيحة، للألبانی: ۲۵۹/۱، ح: ۱۳۴)

”ساتوں آسمان اور ساتوں زینیں اگر ایک پڑے میں اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ دوسرے پڑے میں رکھا جائے تو یہ دوسرا پڑا اس کلمے کی وجہ سے بھاری ہو جائے گا اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زینیں ایک بند حلقة ہوں تو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ان کو توڑے

مذکورہ احادیث سے کلمہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کی فضیلت واضح ہے۔

"لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کے فائدہ مند ہونے کی شرائط : ہر عمل کے کچھ آداب و شرائط ہوتے ہیں، جب تک ان کو ملحوظ نہ رکھا جائے، وہ عمل نتیجہ خیز اور شر آور نہیں ہوتا۔ اسی طرح "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کی بڑی فضیلت ہے، لیکن دنیا و آخرت میں اس کے فائدہ مند ہونے کے لیے بھی کچھ شرطیں ہیں، جب تک وہ شرطیں بھی پوری نہیں ہوں گی، اس کے وہ فضائل اور فوائد بھی حاصل نہیں ہوں گے جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

- ① اس کا جو مطلب و معنی ہے اور اس کا جو ثابت اور منفی مفہوم ہے، پڑھنے والے کو اس کا علم ہو، تاکہ وہ اس کے تقاضوں پر عمل کر سکے۔
- ② پڑھنے والے کو یقین ہو، وہ شک میں بٹلانہ ہو۔
- ③ وہ مخلص ہو، یعنی اس کو پڑھنے والا ہر کام اللہ ہی کی رضا کے لئے کرے، اس میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔

④ اس کے اقرار و اعتراف میں وہ سچا اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے والا ہو۔ منافقین کی طرح محس زبان سے الہمار ہونے جمالت کی وجہ سے اس کے تقاضوں سے انحراف ہو۔

ثمرات و برکات: جب "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کے سب قائلین اس کے معنی و مفہوم کو پورے طور پر سمجھتے ہوئے اس کے تقاضوں کو بروئے کار لائیں گے تو وہ سب ایک ہی معبود کے پرستار اور ایک ہی مطاع کے اطاعت گزار ہوں گے۔ عقیدہ و عمل کی یہ وحدانیت، توحید کا سب سے بڑا ثمرہ اور فائدہ ہے، اس سے سب مسلمان ایک گلے پر مجتمع، تبعیج کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پروئے ہوئے اور دشمن کے مقابلے میں ایک دوسرے کے دست و بازو اور معاون ہوں گے۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔

﴿ وَأَنْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَنَقَّرُوْا ﴾ (آل عمران ۱۰۳/۲)

”اللہ کی رسی کو اکٹھے ہو کر تھام لو، اور جدا جدائہ ہو۔“
عقیدہ توحید کو اپناۓ بغیر قرآن کے اس حکم پر عمل ممکن نہیں۔ صحابہ کرام ﷺ نے اس عقیدے کو صحیح معنوں میں اپنایا تو وہ ایک ہو گئے، جب کہ پہلے وہ جدا جدائے، وہ بھائی بھائی بن گئے جب کہ پہلے وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے، وہ ایک دوسرے پر رحم و کرم کرنے والے بن گئے، جب کہ پہلے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس باہمی الفت و محبت کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلْفَتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَدَكِنَ اللَّهُ أَلْفَ بَيْنَهُمْ ﴾ (الأنفال/ ٨٣)

”ان اللہ ہی نے ان کے دلوں کے درمیان الفت ڈالی، اگر آپ روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے، تب بھی ان کے دلوں کے درمیان الفت نہیں ڈال سکتے تھے، لیکن یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔“
اللہ نے یہ الفت کس طرح ڈالی؟ اسی عقیدہ توحید کے ذریعے سے۔ اس نے انہیں اس عقیدے کو اپنانے کی توفیق دی اور یہ کلمہ توحید ان کی وحدت اور باہمی الفت کا ذریعہ بن گیا۔ قرآن کریم میں اللہ نے اپنے اس احسان اور حقیقت کا ذکر دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا ہے:

﴿ وَآذِكُرُوا يَغْمَتَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءَ فَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَضْبَخْتُمْ يَنْعِمَتِهِ إِخْوَنَا ﴾ (آل عمران/ ٣١٠)

”یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب تم باہم دشمن تھے۔ تو اس نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی پس تم اس کے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے۔“
اللہ نے ایک اور مقام پر ان کی باہمی محبت اور رحم دلی کی گواہی یوں دی۔

﴿ سُلَمَ حَمَدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاهُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحْمَاهُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح/ ٤٨)

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، ان کے ساتھی کافروں پر سخت اور آپس میں ایک

دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں۔“

آج مسلمانوں کے درمیان باہمی الافت و محبت کیوں نہیں؟ اس کی سب سے بڑی وجہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے مقصنيات سے انحراف اور وحدت عقیدہ کا فقدان ہے۔ حالانکہ اللہ نے اس تفرقی کی سختی سے مذمت بیان فرمائی تھی۔ اللہ نے اپنے پیغمبر سے خطاب کر کے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شَيْعَالَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ (الأنعام / ٦١٥)

”بے شک وہ لوگ جنوں نے اپنا دین الگ الگ بنالیا اور گروہ گروہ ہو گئے، آپ کا کسی معاملے میں ان سے کوئی تعلق نہیں۔“

ایسے تفرقی بازوں کے لئے اللہ نے فرمایا:

﴿فَتَقْطَعُوا أَنْهَرُهُرَ بَيْنَهُمْ ثُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ يُمَا لَدَهُمْ فَرِحُونَ﴾ (المؤمنون / ٥٣)

(المؤمنون / ٢٣)

”جنوں نے اپنے معاملے (دین) کو اپنے درمیان مکڑے مکڑے کر لیا، ہر گروہ اپنے اپنے مزاعمات میں خوش ہے۔“

یہ تفرقی دین یا تفرقی کلمہ، اللہ واحد کی رو بیت والوہ بیت سے انحراف ہی کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے اللہ نے فرمایا:

﴿وَلَمَّا هَلَّتِ الظُّرُفَ أَمْتَكْنُ أُمَّةً وَنَجَدَهُ وَأَنَا رَبُّكُمْ فَالْقَوْنَ﴾ (المؤمنون / ٢٤)

” بلاشبہ یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھ ہی سے ڈرو۔“

معلوم ہوا کہ وحدت امت کی بنیاد وحدت عقیدہ یعنی رب واحد ہی سے ڈرنا اور اسی کی عبادت و اطاعت کرنا ہے۔ جب سب ایک ہی رب کے پیاری اور ایک ہی رب کے فرمان بردار ہوں گے تو عقیدے کی اس وحدت سے زندگی کے ہر شعبے میں وحدت کی جلوہ گری ہو گی۔ ان کی عبادت کا طریقہ ایک ہو گا، ان کا اخلاق و کردار ایک جیسا ہو گا، ان کے حلال و حرام کے پیانے ایک ہوں گے، ان کا دشمن ایک ہو گا یعنی صرف وہ جو اللہ واحد کی عبادت و اطاعت سے انکار کرنے والا اور دوسرے معبدوں کا پرستار ہو گا۔ اس طرح اس عقیدہ توحید سے انسانی معاشرہ امن و اخوت کی عطریز ہو اؤں سے معمور اور باہم ظلم وعدوان سے

مامون (پاک) ہو گا۔ اس باہم اتفاق و اتحاد ہی سے دشمن بھی لرزائی و ترسائی ہو گا اور یہ اجتماعی قوت ہی، جس کے ساتھ اللہ کی تائید و نصرت بھی ہو، دنیا میں عزت و سرفرازی کی اور اختیار و اقتدار سے بہرہ و رہونے کی بنیاد ہے۔ جیسے اللہ نے فرمایا:

﴿ وَعَدَ اللَّهُ الدَّيْنَ مَا أَمْنَى وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا أَسْتَخْلَفَ الظَّالِمِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمُكَثِّنَنَّ لَهُمْ دِينُهُمُ الَّذِي أَرْتَضَى
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشَرِّكُونَ بِي شَيْئًا ﴾

(النور / ٢٤)

”اللہ نے ان لوگوں سے، جو تم میں سے ایمان لا میں اور عمل صالح اختیار کریں، وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں جانشینی (خلافت) عطا کرے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو جانشینی عطا کی تھی اور ان کے اس دین (اسلام) کو، جیسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، ان کے لیے غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کو ان کے خوف کے بعد، بد لے میں امن عطا فرمائے گا، وہ میری ہی عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا کیں گے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ اسلام کے قروں اولیٰ میں پورا فرمایا۔ کیونکہ اس دور کے مسلمانوں نے اس شرط کو پورا کر دکھایا، انہوں نے ایمان اور عمل صالح کی زندگی بھی اختیار کی اور صرف اللہ واحد کی عبادت کا اہتمام بھی کیا، شرک کے تمام مظاہر کو انہوں نے اکھاڑ پھیکا۔ اللہ نے ان کو اس کے بد لے میں دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کیا۔

آج مسلمان اپنے عمد رفتہ کی سی عظمت و کامرانی حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو اس کے لیے وہی نجہ کیمیا ہے جو صحابہ و تابعین نے استعمال کیا تھا۔ ایمان اور عمل والی زندگی اور بے غبار عقیدہ توحید اور اس کے مقتضیات پر عمل۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق سے نوازے۔

محض زبان سے کلمہ یہ دھننا کافی نہیں، اس کے تقاضوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے: گز شستہ مباحث سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ محض زبان سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہہ دینا کوئی

معنی نہیں رکھتا۔ جب تک کہنے والا اس کے معنی و مفہوم کو نہیں سمجھتا اور اس کے تقاضوں کو بروئے کار نہیں لاتا، اس وقت تک اس کا فائدہ دنیا میں حاصل ہوتا ہے نہ آخرت ہی میں اس کی کوئی امید کی جاسکتی ہے۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

لیکن بعض لوگوں کو بعض احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہ مغالطہ لگتا ہے کہ زبان سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھ لینا ہی کافی ہے، اس کے مقضیات پر عمل ضروری نہیں۔ جیسے پہلے ایک حدیث گزری ہے کہ ”ایک شخص کی حد نگاہ تک اس کی براویوں کے رجڑ ہی رجڑ ہوں گے اور اس کے مقابلے میں ایک پرچی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی گواہی کی ہوگی“ تو یہ پرچی تمام رجڑوں پر بھاری رہے گی۔“ اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے والے پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔“

یہ روایات اپنی جگہ صحیح ہیں، لیکن یہ روایات صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو خلوص دل سے کفر و شرک سے تائب ہو جائیں لیکن توبہ کے ساتھ ہی انہیں موت آجائے، عمل کا انہیں موقع ہی نہ ملے۔ مگر چونکہ ان کی توبہ خالص تھی، اللہ کی وحدانیت کو انہوں نے دل کی گمراہی سے قبول کر لیا تھا، اللہ کی محبت سے ان کا دل لبریز اور کفر و شرک اور اللہ کی نافرمانیوں سے ان کا دل سخت تنفس ہو گیا تھا، تو ان کا یہ کمال یقین و اخلاص، محبت اللہ اور ترک معصیت کا عزم بالجزم، عمل کے قائم مقام ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ انہیں اس کلمہ طیبہ کی بدولت جنت میں داخل فرمادے گا۔ تاہم جن کو یہ کلمہ پڑھنے کے بعد یہ موقعہ ملے گا کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے سے اس کی سچائی کو واضح اور ثابت کریں، لیکن وہ اس کے مقضیات پر عمل کر کے اپنی سچائی کو ثابت کرنے میں ناکام رہیں گے، تو ایسے لوگوں کا محض زبان سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہہ دینا عند اللہ کافی نہیں ہو گا۔ چنانچہ دوسری روایات سے یہ بات بھی ثابت ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ایک مرحلے پر جہنم سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے والوں کو نکلا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی حدیث میں ہے کہ ”ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ

ان کی سجدے والی جگہوں پر جنم کی آگ حرام فرمادے گا،^۱ گویا ان کا سارا جسم جنم میں جلے اور سڑے گا لیکن اعضائے سجود محفوظ رہیں گے۔

اس طرح دونوں قسم کی روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے اور ان کے مابین منافع نہیں رہتی اور عقل بھی مذکورہ دونوں قسم کے افراد کے درمیان فرق کو تسلیم کرتی ہے۔ گویا عقل اور نقل دونوں اعتبار سے یہ موقف صحیح ہے۔ جس کی صراحت مذکورہ سطور میں کی گئی ہے۔

ایک اور شبہ اور اس کا ازالہ: ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک لشکر جہاد کے لیے بھیجا، وہاں فتح یا بیل کے بعد ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ملکت خورده کافر قبیلے کا ایک شخص ان کو ملا، اس نے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" پڑھا، لیکن حضرت اسامہ بن زید نے سمجھا کہ یہ شخص جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے، چنانچہ انہوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور اسے قتل کر دیا۔ جب یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی، تو آپ نے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا اور اسامہ سے فرمایا: ((أَفَتَلْتُهُ بَعْدَ مَا قَاتَلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)) "تو نے اسے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟" حضرت اسامہ نے کہا، اللہ کے رسول! اس نے جان بچانے کے لیے ہی کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا: ((أَفَلَا شَفَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقْالَهَا أَمْ لَا)) "تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے (دل یقین کے ساتھ) کلمہ پڑھا ہے یا نہیں؟" آپ بار بار یہی الفاظ دہراتے رہے۔ (صحیح مسلم، الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد قوله 'لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ' ح: ۹۶)

اس کے پیش کرنے سے ان کا مقصد یہ کہنا ہوتا ہے کہ زبانی اقرار کی بھی بڑی اہمیت ہے اور جو شخص زبان سے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" پڑھتا ہو، چاہے وہ اس کے مقننیات پر عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی، نہ اس کی تکفیر ہی کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس واقعے اور حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اسلام کا اظہار کرتا اور کلمہ پڑھتا ہے تو اس کے خلاف فوری کارروائی نہ کی جائے۔ اس کلمے کے پڑھنے سے اس کی جان اور مال محفوظ ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس

طرح کا اظہار کرنے والے اپنے عمل سے مسلسل اس کے خلاف ثبوت پیش کر رہے ہوں، تب بھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ یا ان کا عقیدہ و عمل ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے معنی و مفہوم اور مستفہیات کے خلاف ہو، تب بھی ان کی تکفیر جائز نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک طرف تو یہ فرمایا کہ ”کیا تو نے اسے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟“ اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أَفْاتِلَ النَّاسَ حَتَّىٰ يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» (صحیح البخاری،

الاعتصام بالكتاب والسنۃ، باب الاقداء بسنن رسول اللہ ﷺ، ح: ۷۲۸۵)

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگ جب تک ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار نہ کریں، میں ان سے قتال کروں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار کر لینے کے بعد کوئی کارروائی کرنی جائز نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف آپ نے خارجیوں کی بابت فرمایا کہ یہ ایک گروہ پیدا ہوا گا، جو قرآن اور نماز پڑھے گا، ایمان کا اظہار کرے گا، لیکن یہ تینوں چیزوں ان کے گلوں سے نیچے نہیں اتریں گی، وہ بڑے عبادت گزار ہوں گے، ان کی نمازوں، روزوں اور قراءات کے مقابلے میں تمیس اپنی نمازیں، تلاوت وغیرہ حقیر معلوم ہوں گی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کی بابت فرمایا:

«فَإِنَّمَا لَقِيمُهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ» (سنن أبي داود، السنۃ، باب فی قتال الخوارج،

ح: ۴۷۶۷)

”جهاں بھی تم انہیں ملو، انہیں قتل کر دو۔“

آپ نے یہ بھی فرمایا:

«لَئِنْ أَنَا وَاللَّهُ أَذْرَكُهُمْ لَا قُتْلَتْهُمْ قَتْلَ عَادٍ» (سنن أبي داود، السنۃ، باب فی

قتال الخوارج، ح: ۴۷۶۴)

”اللہ کی قسم! اگر میں نے انہیں پالیا تو میں انہیں قوم عاد کی طرح قتل کر دوں گا۔“

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعد میں اس پر عمل کیا اور ان سے قتال کیا۔

یہاں دیکھ بیجھے! خوارج کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے کا کوئی فائدہ حاصل ہوا اور نہ کثرت عبادت کا۔ کیوں؟ اسی لیے کہ انہوں نے زبان سے تو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہہ دیا، لیکن ان کا عمل اس کے خلاف تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رض کے طرز عمل سے بھی اس نکتے کی وضاحت ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، باقی اسلام پر وہ عمل کر رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیق رض نے ان سے قتل کرنے کے عزم کا اظہار فرمایا، اس پر حضرت عمر رض نے اعتراض کیا اور کہا آپ ان سے قتل کریں گے جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار کرتے ہیں؟ جبکہ ایسے لوگوں کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رض نے فرمایا:

«وَاللَّهِ لَا فَاقْتَلُنَّ مَنْ فَرَقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالرَّكَاءَ، فَإِنَّ الرَّكَاءَ حَقٌّ الْمَالِ وَاللَّهُ لَوْ مَنَعَنِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤْذُونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَتْهُمْ عَلَى مَنْعِهَا»

”اللہ کی قسم! میں ان سے ضرور قتل کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ (جیسے نماز اللہ کا حق ہے اسی طرح) زکوٰۃ مال کا حق ہے (جو اللہ نے بندوں کے مالوں میں رکھا ہے) اللہ کی قسم! اگر وہ ایک بکری کاچھ بھی مجھے دینے سے انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو (زکوٰۃ میں) ادا کرتے تھے، تو میں اس کے بھی روک لینے پر ان سے لڑوں گا۔“

حضرت عمر رض فرماتے ہیں:

«فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ أَنْ قَدْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ» (صحیح البخاری، استابة المرتدین، باب قتل من أُبی قبول

الفرائض ... ح: ۶۹۲۴)

”اللہ کی قسم! جب میں نے ابو بکر کے موقف پر غور کیا تو میں نے یہی دیکھا کہ اللہ نے ان لوگوں سے قتل کے لیے ابو بکر کا سینہ کھول دیا ہے اور میں نے بھی جان لیا کہ یہی

بات حق ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے صحابہ کرام نے یہی سمجھا کہ جو زبان سے ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کا اقرار کرتا ہے، تو مجرد اقرار ہی اس بات کے لیے کافی ہے کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے، اس لیے انہوں نے مانعین زکوٰۃ سے قتل میں توتف کیا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، نہیں۔ محض زبان سے اقرار کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کلمے کے حقوق اور اس کے مقتضیات کی ادائیگی بھی ضروری ہے، جب تک ایسا نہیں ہو گا، مجرد اقرار سے کچھ نہیں ہو گا اور وہ قتل میں مانع نہیں۔

ہمارے دور میں اس کی مثال مرزا کی حضرات ہیں۔ یہ لوگ بھی ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا عقیدہ و عمل اس کلمے کے مقتضیات کے خلاف ہے۔ اس لیے علمائے امت نے ان کے اس اقرار کو کوئی اہمیت نہیں دی اور انہیں بالاتفاق کافروں مرتدا اور دائرۃِ اسلام سے خارج قرار دیا۔

بالکل اسی طرح جو شخص ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کا اقرار تو کرتا ہے، لیکن اس کا عقیدہ و عمل اس کے مقتضیات کے خلاف یعنی مشرکانہ ہے یا اس کی محبت و عقیدت اور اطاعت کا محور اللہ کے رسول کے علاوہ کوئی اور ہے، تو وہ مسلمان کس طرح رہ سکتا ہے؟ حضرت حسن بصری سے کہا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں، جس نے ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھ لیا، وہ جنتی ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَأَدَى حَقَّهَا وَفَرَضَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ“
”جس نے ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا، پھر اس نے اس کا حق اور فرض بھی ادا کیا، تو وہ جنتی ہے۔“

حضرت وہب بن منبه (تمیز حضرت ابو ہریرہ) سے بھی کسی نے سوال کیا:
”أَيْنَسَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ“
”کیا ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ جنت کی چالی نہیں ہے؟“
تو انہوں نے فرمایا:

«بَلِّي، وَلِكِنْ مَا مِنْ مَفْتَاحٍ إِلَّا لَهُ أَسْنَانٌ فَإِنْ جِئْتَ بِمَفْتَاحٍ لَهُ
أَسْنَانٌ فُتَحَ لَكَ وَإِلَّا لَمْ يُفْتَحْ لَكَ»

”کیوں نہیں۔ (یقیناً یہ جنت کی چالی ہے) لیکن کوئی چالی دندانوں کے بغیر نہیں ہوتی۔

اگر تو دندانوں والی چالی لے کر آئے گا، تو تیرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا،

بصورت دیگر یہ دروازہ تیرے لیے نہیں کھولا جائے گا۔“ (محاضرات فی العقیدة

والدعوه للشيخ صالح بن فوزان)

یہ دندانے کیا ہیں؟ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے تقاضوں پر پورا عمل۔ اور اگر عمل اس کے
تقاضوں کے خلاف ہوا، تو اس کی مثال دندانوں کے بغیر چالی کی سی ہے جس سے تالا نہیں
کھلتا۔ جنت کا تالا بھی محض زبانی کلمہ کی چالی سے نہیں کھلتے گا، جب تک اس کے تقاضوں
کے مطابق عمل بھی نہیں ہو گا۔



باب: دوم

توحید کی حقیقت، فتیمین اور تقاضے

یہ بات تو متفقق اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور عرش پر مستوی ہے، اس بات پر سب مسلمانوں کا ایمان ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ایمان باللہ کے تقاضوں سے مسلمانوں کی اکثریت نا آشنا ہے، اس لئے وہ توحید کی حقیقت، اس کی قسموں اور تقاضوں سے غافل اور مشرکانہ عقیدوں میں مبتلا ہے۔ بنابریں ضروری ہے کہ پہلے اللہ پر ایمان رکھنے کا مطلب اور اس کے تقاضوں کو سمجھا جائے، تاکہ توحید کی صحیح حقیقت سمجھ میں آجائے۔

اللہ کے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ ہر چیز کا رب اور مالک ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور اپنی مخلوق کا مبدرو تنظیم ہے۔ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نماز، روزہ، دعا و استغاثہ، خوف و رجاء اور ذلت و عاجزی، سب اسی کا حق ہے نہ کسی کے لئے نماز پڑھی جائے، نہ روزہ رکھا جائے۔ کسی سے دعا و فریاد کی جائے، نہ مافق الاسباب طریقے سے کسی کا خوف رکھا جائے، نہ کوئی امید اس سے وابستہ کی جائے۔ اسی کے سامنے ذلت و عاجزی کا اظہار کیا جائے، اس کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں کہ جس کے سامنے عبودیت و بندگی والی ذلت و عاجزی کا مظاہر کیا جائے۔ وہ تمام صفاتِ مکمال سے متصف اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔

اس اعتبار سے اللہ کے ماننے میں توحید کی تینوں فتیمین آجاتی ہیں۔ توحید روہیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات۔

اس کی مختصر تفصیل آئندہ صفحات میں درج ہے۔

توحید روہیت: اس کا مطلب، اس عقیدے پر یقین رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب

ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ رب کے لغوی معنی ہیں، 'مالک' اور 'مدبر' (انظام کرنے والا) اور ضرورت کی ہر چیز میا کرنے والا) وہ اپنی مخلوقات کا ملک ہے، 'کامطلب ہو گا' ان کو پیدا کرنے والا بھی وہی اکیلا ہے اور مالک بھی وہی ہے اور ان کے تمام معاملات کی تدبیر بھی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پس توحید ربویت کے معنی ہوں گے کہ یہ اقرار کیا جائے کہ وہی مخلوق کا خالق و مالک ہے، وہی ان کو زندگی عطا کرنے والا اور مارنے والا ہے، وہی ان کا نافع اور ضار ہے، اضطرار اور مصیبت کے وقت وہی دعاوں کا سنبھالنے والا اور فریاد رسی کرنے والا ہے، وہی دینے اور روکنے والا ہے، ساری کائنات اسی کی مخلوق ہے اور اسی کا حکم اس میں نافذ ہے:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾ (الأعراف/٧)

"خبردار! پیدائش بھی اسی کا کام ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے، برابر بکت ہے وہ اللہ، جو رب ہے تمام جہانوں کا۔"

قرآن کریم میں مذکورہ تمام یاتوں کو بڑی وضاحت اور تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، کیونکہ یہ توحید ربویت ہی توحید کی دوسری قسموں کے لئے بھی بنیاد و اساس ہے۔ جب یہ مسلم ہے کہ اللہ ہی کائنات کا خالق و مالک ہے اور کائنات کا نظم و تدبیر بھی تمام تر اسی کے اختیار میں ہے، تو اس سے از خود یہ پہلو ثابت ہو جاتا ہے کہ عبادات کا مستحق بھی وہی ہے، خشوع خضوع کا اظہار بھی اسی کے سامنے کیا جانا چاہئے، وہی حمد و شکر کا سزاوار اور دعا و استغاثہ کے لائق ہے۔ اس لئے کہ یہ سب باشیں اسی کے لئے زیبا ہیں جو خلق و امر کا مالک ہے۔ بے الفاظ دیگر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ خالق و مالک اور مدبر و متصرف ہی اس بات کے لائق ہے کہ ذہ جلال و جمال اور کمال کی صفات سے متصف ہو، اس لئے کہ رب العالمین وہی ہو سکتا ہے جو ان صفات کا مالک ہو، ورنہ جو ہمیشہ زندہ رہنے والا نہ ہو، سمع و بصیر نہ ہو، ہر طرح کی قدرت سے بہرہ ورنہ ہو، جو چاہے اسے کرنے کا اختیار رکھنے والا نہ ہو اور اپنے اقوال و افعال میں حکیم نہ ہو، تو وہ رب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان صفات سے محروم رب اپنی مخلوقات کا علم نہیں رکھ سکتا اور جو اپنی مخلوقات سے باخبر نہ ہو، وہ ان کی حفاظت

کا فریضہ کس طرح انجام دے سکتا ہے؟ اور جو اپنی مخلوقات کی حفاظت نہ کر سکتا ہو، وہ رب کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بنا بریں جو لوگ اس بات کا تو اقرار کریں کہ کائنات کا خالق اور رب اللہ ہی ہے (یعنی توحید روہیت کو تو مانیں) لیکن عبادت میں وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کریں (یعنی توحید الوہیت کو تسلیم نہ کریں) اسی طرح وہ اللہ کی صفات کی نفی کریں، ما ان کو مخلوقات کی صفات کے ساتھ تشبیہہ دیں یا ان کی دور از کار توجیہہ اور فاسد تاویل کریں (یعنی توحید اسماء و صفات کا انکار کریں) تو اس کا واضح مطلب ہے کہ انہوں نے اس توحید کو نہیں مانا جو انہیں دائرہ کفر و شرک سے نکال کر دائرة ایمان میں لے آئے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ مشرکین مکہ اقرار کرتے تھے کہ ہر چیز کا خالق، اللہ ہے اس کے باوجود اللہ نے ان کو مشرک کہا، کیوں؟ اسی لئے کہ انہوں نے یہ تو مانا کہ رب ایک ہی ہے، لیکن یہ نہیں مانا کہ اللہ (بھی) ایک ہی ہے اور اس وجہ سے انہوں نے غیروں کو بھی عبادت میں شریک کیا۔ اسی طرح انہوں نے اسماء و صفات پاری تعالیٰ میں بھی اللہ کو واحد نہیں مانا اور اس کی بعض صفات کا انکار کیا یا ان جیسی صفات مخلوق میں بھی تسلیم کیں۔ اسی لئے اللہ نے ان کی بابت فرمایا:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُشْرِكُون ﴾ (۱۰۶/۱۲) (یوسف)

”اللہ کو ماننے والے اکثر مشرک ہیں۔“

یعنی انہوں نے یہ تو مانا کہ ان کا خالق، رازق اور زندگی اور موت دینے والا اللہ ہے، لیکن عبادت وہ غیروں کی بھی کرتے رہے، یوں وہ اپنے ناقص ایمان کی وجہ سے ایمان باللہ کے باوجود مشرک ہی رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ توحید روہیت کے ساتھ، توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات پر بھی ایمان رکھا جائے۔ اس کے بغیر کوئی شخص بھی مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا۔

مشرکین اور توحید روہیت: گزشتہ تفصیل سے توحید روہیت کا مفہوم تو واضح ہو چکا ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ توحید کی یہ قسم تمام مشرکین بھی مانتے ہیں اور مانتے

رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَيْسَ سَأْلَتْهُم مَنْ خَلَقَهُمْ لِيَقُولُنَّ اللَّهُمَّ ﴾ (الزخرف / ۴۳) ۸۷

”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے ان کو پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ یہی کہیں گے، اللہ نے۔“

﴿ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْنَ يَمْلِكُ السَّمَعَ وَالْأَبْصَرَ وَمَنْ يَخْرُجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيَخْرُجُ الْمَيِّتُ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُمَّ ﴾ (یونس / ۱۰) ۳۱

”اور ان سے پوچھئے تمیں آسمان و زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ تمہارے کافنوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے کون نکالتا ہے؟ اور معاملے کی تدبیر کون کر رہا ہے؟ تو وہ یہی جواب دیں گے، اللہ۔“

یہ ہے توحید روہیت، لیکن صرف یہ اقرار کر لینے والا کہ ہر چیز کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ ہے، ضروری نہیں کہ وہ توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات کو بھی مانتا ہو۔ اس لئے کہ انسانوں کی اکثریت اللہ کی روہیت کو تسلیم کرتی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتی ہے۔

(۲) توحید الوہیت: اس کا مطلب ہے، یہ عقیدہ رکھا جائے کہ معبدوں بھی صرف وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبد نہیں۔ عبادت کی تمام فتیں صرف اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ عبادت کے لغوی معنی ہیں، سرقاندگی، ذلت و عاجزی اور خشوع و خضوع۔ اور بعض علماء نے معنی کئے ہیں، کمال خضوع کے ساتھ کمال محبت۔ اس اعتبار سے توحید الوہیت کے مفہوم میں یہ بات شامل ہو گی کہ عبادت میں اخلاص کامل ہو، یعنی اس کا کوئی حصہ بھی غیر اللہ کے لئے نہ ہو۔

پس ایک مومن صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہیں کرتا، اس کی محبت بھی صرف اللہ کے ساتھ ہوتی ہے، اس کے دل میں خوف بھی صرف اللہ کا ہوتا ہے، اس کی امیدیں بھی اسی سے وابستہ ہوتی ہیں، اس کا اعتماد و توکل بھی اسی پر

ہوتا ہے، دعا و فریاد بھی وہ اسی سے کرتا ہے اور اطاعت و فرمائی برداری بھی صرف اسی کی۔ نذر و نیاز بھی اسی کے نام کی دستا ہے کسی اور کے نام پر نہیں، اپنی جبین نیاز بھی اسی کے آگے جھکاتا اور عاجزی و ذلت کا ظہمار بھی اسی کے سامنے کرتا ہے۔ غرض عبادت کی جتنی بھی شکلیں اور صورتیں ہیں، وہ صرف اور صرف اللہ واحد کے لئے بجالاتا ہے، اس میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

توحید کی یہ قسم، توحید کی دوسری قسموں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے، اس میں توحید روہیت بھی آجاتی ہے اور توحید اسماء و صفات بھی، لیکن صرف توحید روہیت میں توحید کی دوسری قسمیں نہیں آتیں۔ اس لئے کہ اللہ کو واحد رب ماننے والا ضروری نہیں کہ وہ الوہیت میں بھی اس کو واحد مانے، وہ اللہ کو رب تو مانتا ہے، لیکن اللہ کی عبادت و اطاعت نہیں کرتا، یا صرف اسی ایک کی عبادت و اطاعت نہیں کرتا۔ اسی طرح توحید اسماء و صفات بھی، توحید کی دوسری انواع کو اپنے اندر شامل نہیں کرتی۔ لیکن توحید الوہیت کو ماننے والا جو یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ رب العالمین بھی وہی ہے، علاوہ ازیں اس کے اسماء حسنی اور صفات کاملہ ہیں اس لئے کہ اخلاص فی العبادت اسی کے لئے ہو سکتا ہے جو رب ہو، نہ کہ کسی اور کے لئے بھی۔ اسی طرح وہ ہر عیب اور نقص سے پاک بھی ہو، نہ کہ اس کے لئے بھی جس میں نقص ہو۔ اس کی عبادت کس طرح جائز ہو سکتی ہے جو کسی چیز کا خالق ہونہ مدد، بلکہ مخلوق ہو اور مدد، اسی طرح وہ بھی معبد نہیں ہو سکتا جو سوتایا بیمار ہوتا اور موت سے ہمکنار ہوتا ہے، کیونکہ یہ سب صفاتِ نقص ہیں، اور اللہ رب العالمین ان تمام نقص سے پاک ہے۔

مسلمانوں کا کلمہ، توحید و شہادت لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں) توحید کی تینوں قسموں کو حاوی ہے اسی لئے اس کلے کو ادا کرنے والا مسلمان قرار پاتا ہے، ورنہ توحید روہیت تو مشرک بھی مانتے ہیں، مگر وہ مسلمان نہیں۔ دائرہ اسلام میں وہی داخل سمجھا جائے گا، جو توحید کی تینوں قسموں پر ایمان رکھے گا، کیونکہ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں تینوں قسمیں شامل

ہیں۔ اسی توحید الوہیت کے لئے اللہ نے انسانوں اور جنوں کو پیدا فرمایا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعَبْدِهِنَ﴾ (الذاريات ٥٦)

”میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔“

تمام انبیاء کی بعثت بھی اسی توحید الوہیت ہی کے لئے ہوئی۔

﴿وَلَقَدْ يَعْشَنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْتَ أَعْبُدُهُ أَللَّهُ وَاجْتَنَبْنَا الظَّلْغَوْتَ﴾ (النحل ٣٦ / ١٦)

”ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (اس نے یہی پیغام دیا) کہ اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے بچو۔“

”طاغوت“ کیا ہے؟ ہر وہ چیز، جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے، طاغوت ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِنَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَأَعْبُدُهُنَ﴾ (الأنبیاء ٢٥ / ٢١)

”ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا، اسے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبد نہیں، پس تم صرف میری ہی عبادت کرو۔“

اور یہی کلمہ، اسلام کے پانچ بنیادی اركان میں سے ایک رکن بلکہ رکن اول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حضرت نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام، ان تمام رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو یہی دعوت دی:

﴿أَعْبُدُهُ أَللَّهُ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٔ غَيْرِهِ﴾ (الأعراف ٧ / ٦٥، هود ١١ / ٦١، المؤمنون ٢٣ / ٢٣)

”اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبد نہیں۔“

صرف ایک اللہ کی عبادت کے اقرار سے دوسرے معبدوں کی عبادت کی از خود نفی ہو جاتی ہے اور ایک اللہ کے عقیدے سے دوسرے تمام معبد باطل قرار پاتے ہیں۔ یہی وجہ

ہے کہ جب نبی ﷺ نے مشرکین مکہ کو "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" (اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں) کی دعوت دی، تو انہوں نے کہا:

﴿أَجَعَلَ اللَّهَمَّ إِلَيْهَا وَاجِدًا إِنَّ هَذَا لِشَفَاعَةٍ عَجَابٌ﴾ (ص: ۳۸)

"کیا اس نے تمام معبدوں کو ایک ہی معبد بنا دیا ہے؟ یہ تو یقیناً نہایت تجھب والی بات ہے۔"

اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ جس نے کلمہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کا اقرار کر لیا، تو اس کا مطلب ہر مانسوی اللہ کی عبادت کی نفی اور تمام معبدوں کا بطلان ہے، کیونکہ اللہ کے معنی ہی معبد کے ہیں۔ یعنی وہ ذات جس کی عبادت کی جائے اور عبادت کیا ہے؟ عبادت کا مطلب ہے، صرف اسی ذات کی رضا کے لیے اس کے سامنے عجز و تزلیل کا اظہار کرتے ہوئے ہر وہ کام کیا جائے جسے وہ پسند کرتا ہے۔

مشرکین مکہ کو یہی پسند نہیں تھا کہ وہ صرف آسمان والے اللہ کو، جسے وہ رب تو تسلیم کرتے تھے، اپنے تمام کاموں کا مقصود و فتحاً بھی صرف اسی کو مان لیں، نماز پڑھیں تو اسی کے لیے پڑھیں، روزے رکھیں تو صرف اسی کے لیے رکھیں، نذر و نیاز دیں تو صرف اسی کے نام کی دیں، استغاثہ و استمداد کریں تو صرف اسی سے کریں اور ان تمام معبدوں کو نظر انداز کر دیں جن کو وہ اللہ کے ساتھ ساتھ مذکورہ کاموں میں شریک رکھتے تھے۔ توحید الوہیت کے اس تقاضے کو وہ سمجھتے تھے جسے آج کا مسلمان نہیں سمجھتا، اس لیے ضروری ہے کہ توحید الوہیت کے تقاضوں اور لوازم کو بھی سمجھا جائے۔

توحید الوہیت کے لوازم: توحید الوہیت کے تسلیم کرنے پر کن کن چیزوں پر اعتقاد و یقین رکھنا ضروری ہے۔ اس کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

① اللہ کے ساتھ خالص محبت رکھی جائے۔ اس کا مطلب ہے، کسی کو اللہ کا شریک بنایا جائے نہ اس کی محبت پر کسی اور کی محبت غالب آئے۔ کیونکہ انسان کی فطرت میں کئی چیزوں کی محبت رکھی گئی ہے۔ اسے ماں باپ سے، بیوی بچوں سے، بیٹے بھائیوں سے، احباب و اقارب سے، دنیا کے مال و اساب سے حتیٰ کہ اپنے وطن اور مولود و مسکن سے بھی

محبت ہوتی ہے، یہ تمام محبتیں جائز ہیں، بشرطیکہ اپنی فطری حدود میں رہیں اور دائرہ شریعت سے تجاوز نہ کریں۔ علاوہ ازیں جب محبتوں میں سے کسی محبت کا اللہ کی محبت سے تصادم ہو جائے تو وہاں اللہ کی محبت کے تقاضوں کو ترجیح دی جائے۔ نہ کہ انسان اللہ کی محبت کو نظر انداز کر کے مذکورہ محبتوں کا اسیرو ہو جائے۔ الہ ایمان کی صفت ہے:

﴿وَالَّذِينَ ءَامَنُوا أَشَدُ حُبَّاً لِّلَّهِ﴾ (البقرة/٢٦٥)

”ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔“

اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم اور رضاء کو دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں، اس کی محبت پر سب محبتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔

② دعا و فریاد اللہ ہی سے کی جائے، اسی پر بھروسہ کیا جائے اور جن چیزوں پر صرف اللہ ہی قادر ہے، ان کی امید صرف اللہ ہی سے رکھی جائے، ان میں کسی اور سے امید وابستہ نہ کی جائے۔

③ خوف بھی صرف اللہ ہی کا ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی اپنی مشیت اور قدرت سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا سبب بنا سکتا ہے۔ اس لئے ظاہری اسباب کے بغیر کسی سے خوف کھانا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی مشیت اور اذن کے بغیر بھی کوئی نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہے، مشرکانہ فعل اور عقیدہ ہے۔

جیسے کسی فوت شدہ شخص سے ڈرنا کہ وہ مجھے نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے، یہ خوف عبادت ہے جو صرف اللہ کا حق ہے، فطری خوف نہیں جو جائز ہے۔ اسی طرح کسی زندہ شخص کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی مشیت ہو یا نہ ہو، یہ شخص صرف اپنی مشیت سے مجھے نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے، یہ بھی خوف عبادت ہے، ہاں ظاہری اسباب کی حد تک وہ زندہ شخص نقصان پہنچا سکتا ہے، مگر کب؟ جب اللہ کی مشیت ہو گی۔ اگر اللہ کی مشیت نہ ہو تو ہر طرح کے اسباب وسائل سے بہرہ ور ہونے کے باوجود وہ نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بنا بریں ایک مسلح شخص یا دشمن سے یا کسی درندے اور خوف ناک جانور سے، ظاہری

اسباب کی رو سے خوف محسوس کرنا، فطری خوف ہے جس پر کوئی گرفت نہیں۔ لیکن اس میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ یہ نقصان اسی وقت پہنچا سکیں گے جب اللہ کی مشیت ہو گی، محض اپنی مشیت سے یہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اللہ کی مشیت نہیں ہوگی تو یہ اسباب و وسائل، جو وہ نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کریں گے، بے کار ثابت ہوں گے۔

④ عبادات کی جتنی بھی قسمیں ہیں، وہ سب اللہ کے لئے خاص ہیں، بدنی عبادات ہوں، جیسے نماز، روزہ، رکوع، سجود، طواف وغیرہ۔ مالی عبادات ہوں جیسے زکوٰۃ، قربانی، نذر و نیاز وغیرہ، قولی عبادات ہوں جیسے ذکر، استغفار وغیرہ، مالی و بدنی عبادت کا مجموعہ ہو جیسے حج۔ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ کا حق ہے، ان میں سے کوئی بھی عبادت، اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہیں کی جاسکتی۔ اگر کسی جائے گی تو ایسا کرنا توحید الوہیت کے خلاف اور شرک ہو گا۔

(۳) توحید اسماء و صفات : توحید کی یہ تیری قسم ہے، اس کا مطلب یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تمام صفات کمال سے متصف اور تمام صفات نقص سے پاک ہے اور ان دونوں باتوں میں وہ یکتا اور تہائی ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی ہستی اسی نہیں جو ہر قسم کے کمالات سے متصف اور ہر عیوب اور نقص سے پاک ہو۔ توحید کی یہ قسم تین بنیادوں پر قائم ہے۔

اول: اللہ ہر نقص سے اور مخلوق کے مشابہ ہونے سے پاک ہے۔

دوم: اللہ کے جو اسماء اور صفات، قرآن و احادیث صحیح سے ثابت ہیں ان پر ایمان رکھنا ہے، بغیر اس کے کہ ان میں کوئی کمی کی جائے یا زیادتی یا تحریف کی جائے یا تعطیل (لغی)۔

سوم: اللہ کی صفات کی حقیقت، کہ اور کیفیت کا اور اک کسی کے لئے ممکن نہیں۔ پہلی بنیاد کا مطلب ہے، اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، اس لئے وہ اس بات سے پاک ہے

کہ وہ اپنی کسی صفت میں مخلوق کی صفت کے مشابہ ہو:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ، شَفِّعٌ﴾ (الشوری ۴۲/۱۱)

”اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔“

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُثُرٌ كُّفُواً أَحَدٌ﴾ (الاخلاص ۱۱۲/۴)

"اس کا کوئی ہمسر نہیں۔"

بعض علماء نے اس کا مطلب ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لَيْسَ كَذَاتِهِ ذَاتٌ وَلَا كَاسْمِيهِ اسْمٌ وَلَا كَفْعَلِهِ فَعْلٌ وَلَا كَصْفَتِهِ صَفَةٌ، إِلَّا مِنْ جَهَةِ مُوافَقَةِ اللفظِ، وَجَلَّتِ الدَّالُّ الْقَدِيمَةُ أَنْ يَكُونَ لَهَا صِفَةٌ حَدِيثَةٌ، كَمَا اسْتَحَالَ أَنْ يَكُونَ لِلذَّاتِ الْمُخْدَنَةِ صِفَةٌ قَدِيمَةٌ (تفسیر القرطبي، تحت آیت "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" ۸/۱۶)

"اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں، اس کے نام جیسا کوئی نام نہیں، اس کے کام جیسا کوئی کام نہیں، اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں، سوائے لفظی موافقت کے۔ وہ قدیم ذات اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کے لئے کوئی حادث صفت ہو جیسے یہ نامکن ہے کہ نوپیدا ذات کے لئے کوئی قدیم صفت ہو۔"

اس اعتبار سے اللہ کو ہر اس چیز سے پاک مانا ضروری ہے جو اس کے اپنے یا رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ وصف کے خلاف ہو۔ بنا بریں توحید صفات کا تقاضا ہے کہ اس کو یہوی سے، اولاد سے، شریک سے، ہمسر اور مردگار سے، اس کی اجازت کے بغیر کسی سفارشی سے، ولی اور دوست سے، عاجزی اور کمزوری سے پاک مانا جائے۔ اسی طرح یہ بھی اس کا تقاضا ہے کہ اسے نیند سے، اونگھ سے، تقب و تکان سے، موت سے، جہالت سے، ظلم سے، غفلت اور بھول سے اور اس قسم کے دیگر ناقص سے پاک تسلیم کیا جائے۔

دوسری بنیاد کا تقاضا ہے کہ اللہ کے اسماء و صفات کو اس طرح مانا جائے جیسے وہ قرآن کریم یا احادیث میں وارد ہوئے ہیں، ان کا تمام ترمدار، سماع و نقل پر ہے، رائے اور قیاس و عقل پر نہیں۔ پس اللہ عز وجل کا وہی وصف بیان کیا جائے جو خود اس نے یا رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور اسی نام سے اسے موسم کیا جائے جو خود اس نے یا رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے اسے پکارا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات کو اور اپنی صفات اور اسماء کو خوب جانتا ہے اور اللہ کے رسول کی بات بھی اس کی بابت اس لئے صحیح ہے کہ وہ بھی صادق اور مصدق اور وہ وہی بات بتلاتے ہیں جس کی خبران کو وحی کے ذریعے سے

دی جاتی ہے، اس لئے اللہ اور اس کے رسول کے بیان کردہ اسماء و صفات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ نعیم بن حماد کا قول ہے:

مَنْ شَبَّهَ اللَّهَ بِخَلْقِهِ كَفَرَ وَمَنْ جَحَدَ مَا وَصَفَ اللَّهُ بِهِ نَفْسَهُ أَوْ
وَصَفَهُ بِهِ رَسُولُهُ كَفَرَ، وَلَيْسَ فِيمَا وَصَفَ اللَّهُ بِهِ نَفْسَهُ، أَوْ
وَصَفَهُ بِهِ رَسُولُهُ تَشْبِيهًةً وَلَا تَمْثِيلًّا (الروضۃ الندية، ص: ۲۲، بحوالہ کتاب

"الإیمان" الدكتور محمد نعیم یاسین، دار الفرقان، عمان، الأردن ص: ۳۰)

”جس نے اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی اس نے کفر کیا۔ جس نے اس کے اس
وصف کا انکار کیا جو خود اس نے یا اس کے رسول نے بیان کیا اس نے بھی کفر کیا اور
اللہ کے وہ اوصاف جو خود اس نے اپنے لئے یا اس کے رسول نے اس کے لئے بیان
کئے ہیں ان میں تشبیہ اور تمثیل نہیں ہے۔“

یعنی اللہ کو کسی کے ساتھ تشبیہ دینا یا اس کو کسی کے مثل بتانا کفر ہے، لیکن اللہ کی
ثابت شدہ صفات کو جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں، بیان کرنا، تشبیہ و تمثیل کے ذیل میں
نہیں آتا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسماء و صفات باری تعالیٰ کو اسی طرح مانا جائے
جس طرح وہ کتاب و سنت میں بیان ہوئی ہیں اور ان کو ان ہی ظاہری معنوں پر محمول کیا
جائے جو لغت عرب سے واضح اور ظاہر ہوں۔ ان ظاہری معنوں کا انکار کر کے اللہ کی صفات
کا انکار کیا جائے نہ ان کو ان کے ظاہری معنوں سے پھیرا جائے۔ یعنی تعطیل کی جائے نہ
تحریف و تاویل بلکہ ان کے ظاہری مفہوم پر بلا کیف و تشبیہ ایمان رکھا جائے۔

تیری بنیاد کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں بیان کردہ اسماء و صفات پر ایمان رکھا
جائے، ان کی کیفیت پوچھی جائے نہ ان کی کنہ و حقیقت کی بحث و کرید میں پڑا جائے۔ اس
لئے کہ صفات، اپنے موصوف کے اختبار سے مختلف ہوتی ہیں، علاوہ ازیں صفت کی کیفیت
اس وقت تک واضح نہیں ہوتی جب تک کیفیت ذات کی شناخت نہ ہو اور جب اللہ کی
ذات کی کنہ اور حقیقت و کیفیت کا کسی کو علم ہے نہ اس کی بابت سوال کرنا ہی جائز ہے تو
اس کی صفات کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بھی ناجائز ہے، کیونکہ اس کی کیفیات

صفات کا کوئی علم کسی کے پاس نہیں ہے۔ اسی لئے کسی سلف کا یہ قول مشهور ہے، جب ان سے استواء علی العرش کی کیفیت پوچھی گئی تو انہوں نے جواب دیا:

الْإِسْتِوَاءُ مَعْلُومٌ، وَالْكَيْفُ مَجْهُولٌ، وَالْإِيمَانُ بِهِ وَاجِبٌ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بُذْعَةٌ (الروضۃ الندیۃ، ص: ۲۹، بحوالہ "الایمان" ص: ۳۱)

"استواء معلوم ہے (یعنی قرآن میں اللہ کے استواء علی العرش کا ذکر ہے) لیکن اس کی کیفیت نامعلوم ہے، تاہم اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کی بابت سوال کرنا بذعت ہے۔"

اسی طرح اللہ کی دیگر صفات کا معاملہ ہے، وہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے لیکن کس طرح؟ یہ کیفیت ہم بیان نہیں کر سکتے، وہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، کلام فرماتا ہے، لیکن کیسے؟ ہمیں ان کی کیفیات کا علم نہیں۔ جب ہم کیفیت ذات ہی سے ناواقف اور بے خبر ہیں، تو صفات تو موصوف کی فرع اور اس کے تابع ہوتی ہیں، پھر ہم ان صفات کی کیفیات کو کس طرح جان سکتے ہیں؟ اس لئے جب یہ بات متحقق ہے کہ نفس الامر میں اللہ عزوجل کا وجود ہے اور وہ تمام صفات کمال کو مستوجب ہے اور مخلوق میں سے کوئی اس کی مثل اور مشابہ نہیں تو اس کا سمع و بصر، کلام و نزول اور استواء وغیرہ صفات بھی ثابت ہیں اور وہ جن صفات کمال سے متصف ہے ان میں وہ مخلوقات کے سمع و بصر، کلام و نزول اور استواء سے مشابہ نہیں رکھتا۔

توحید اسماء و صفات کے تقاضے: ① مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جا سکتی، جیسے عیسائیوں نے حضرت مسیح ملائیم کو، یہودیوں نے حضرت عزیز ملائیم کو اور مشرکین نے اپنے بتوں کو اللہ کے مشابہ قرار دیا یا جیسے بعض لوگوں نے اللہ کے چہرے کو مخلوق کے چہرے کے ساتھ، اللہ کے ہاتھ کو مخلوق کے ہاتھ کے ساتھ، اللہ کے سننے کو مخلوق کے سننے کے ساتھ تشبیہ دی۔

② تاویل کے ذریعے سے اللہ کے اسماء و صفات میں تحریف اور تغیر و تبدیلی جائز نہیں۔ اس لئے قرآن و حدیث میں وارد صفات الہی (وجہ، یہ، استواء، نزول، غضب و رضا

وغیرہ) کے معانی میں اسی تاویل کرنا جن سے یہ صفات بے معنی، معطل اور باطل ہو جائیں یا ان میں سے کسی کا انکار لازم آئے، منہاج سلف کے خلاف ہے۔

③ اللہ کی کسی صفت کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی نہ ان کی کہنہ اور حقیقت کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول بڑا جامع ہے، ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ یہی کہے:

«آمِنْتُ بِاللَّهِ وَبِمَا جَاءَ عَنِ اللَّهِ عَلَىٰ مُرَادِ اللَّهِ وَآمِنْتُ بِرَسُولِ اللَّهِ،
وَبِمَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَىٰ مُرَادِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ» ("الإيمان" محمد

نعمیں یاسین، ص: ۳۲)

”میں ایمان لایا اللہ پر“ اس پر جو اللہ کی طرف سے آیا، اللہ کی مراد کے مطابق اور ایمان لایا میں اللہ کے رسول پر اور اس پر جو اللہ کے رسول کی طرف سے آیا، رسول اللہ ﷺ کی مراد کے مطابق۔“

اس بات کو ایک فارسی شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وهم
وزهرچہ گفتہ اند، شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و به پیاں رسید عمر
ماہم چنان در اقل وصف تو، ماندہ ایم

ایک اور شاعر نے کہا۔

اے بروں از وهم و قل و قیل من
خاک برفرق من و تمثیل من

توحید، بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے: ذکورہ طریقے سے اللہ کو مانتا اور اس کی عبادت کرنا، یہ اللہ کا وہ حق ہے جو بندوں پر فرض ہے۔ جیسے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«هَلْ تَدْرِي حَقَّ اللَّهِ عَلَىٰ عِبَادِهِ؟ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ؟»

”کیا تو جانتا ہے اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟“

حضرت معاذ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا: اللہ و رَسُولُهُ أَعْلَمُ اللَّهُ أَوْ رَسُولُهُ؟ اس کا رسول مسترجانے ہے۔ آپ نے فرمایا:

«فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقُّ

الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يُعَذَّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا» (صحیح البخاری،

الجهاد والسریر، باب اسم الفرس و الحمار، ح: ۲۸۵۶ و صحیح مسلم، الإيمان، باب

الدلیل على أن من مات على التوحید ... ، ح: ۳۰)

”بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے ذمے بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔“

یہ بندوں پر اللہ کا وہ حق ہے جو سب سے پہلے ہے، اس حق پر کوئی حق مقدم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَضَى رَبُّكَ لَا تَعْبُدُوا إِلَآ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَنَّا﴾ (الاسراء: ۱۷/۲۳)

”آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ عبادت صرف اس ایک اللہ کی کرنی ہے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ تَمَّا لَوْا أَتْلُ مَا حَرَمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ لَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَنَنَا﴾ (الأنعام: ۶/۱۵۱)

”آؤ! میں تمہیں وہ پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، (ایک حکم اس نے یہ دیا ہے) کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔“

تمام حقوق پر اس حق الہی کی اذلیت و اولویت اور اس کے اساس دین ہونے کی وجہ ہی

سے نبی ﷺ کے کی تیرہ سالہ زندگی میں لوگوں کو صرف اسی توحید کی دعوت دیتے اور شرک سے لوگوں کو روکتے رہے۔ گویا تیرہ سال تک منصب نبوت کی ادائیگی کا محور، عقیدہ توحید کا اثبات اور معبدوں ان باطل کا انکار رہا۔

علاوه ازیں قرآن کریم میں بھی اس موضوع کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اس میں مختلف انداز سے اسے واضح کیا اور نکھارا گیا ہے۔ اسی طرح ہر نماز میں، چاہے وہ فرض ہو یا نفل، نمازی اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر یہ اقرار و اعتراف کرتا ہے۔

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (الفاتحة: ٥)

”ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔“

یہ اقرار و اعتراف، توحید الوہیت یا توحید عبادت ہی کا اقرار ہے اور یہی توحید ہر انسان کی فطرت میں ودیعت رکھی گئی ہے لیکن ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

«مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبْواؤهُ يُهُوَدَانِهُ وَيَصْرَارَانِهُ وَيَمْجَسَانِهُ كَمَا تُتَسْجُحُ الْبَهِيمَةُ بِهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِشُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ (صحیح مسلم، القدر، باب معنی کل مولود ...، ح: ٢٦٥٨)»

”ہر پھر فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوہی (وغیرہ) بنالیتے ہیں۔ جیسے چپائے کے پچے کو اس کی ماں صحیح سالم جنتی ہے۔ کیا تم اس میں اس کا کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟“

(اس حدیث کے راوی) پھر ابو ہریرہ فرماتے، کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔

﴿فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا يَنْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ (الروم: ٣٠ / ٣٣) ”یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔“

اس حدیث کی بنیاد پر ہی علماء کہتے ہیں کہ جمال میں اصل چیز توحید ہے (کیونکہ یہ فطرت کی آواز ہے) اور شرک باہر سے مسلط چیز ہے جو شیطان کی مذموم کوشش کے نتیجے میں

انسان پر طاری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَجَهَدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ الْأَنْبِيَاءَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ عَمَّهُمْ الْكِتَابَ بِالْحَقِيقَةِ لِيَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا أَخْتَلَفُوا فِيهِ﴾ (آل عمران: ۲۱۳)

”لوگ ایک ہی گروہ تھے (پھر وہ مختلف ہو گئے) تو اللہ نے نبیوں کو خوش خبریں سنانے اور (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا بنائک بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی ساتھ حق کے تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کریں جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَجَهَدَةً فَأَخْتَلَفُوا﴾ (يونس: ۱۹)

”لوگ ایک ہی گروہ تھے، پھر وہ مختلف ہو گئے۔“

لوگ کس چیز میں متحد تھے؟ اسی عقیدہ توحید میں۔ بقول حضرت ابن عباس، حضرت آدم ﷺ سے لے کر حضرت نوح ﷺ تک، جو دس قرنوں پر محیط ہے، اسی دین اسلام پر لوگ قائم رہے۔ (تفسیر ابن کثیر) سب سے پہلے حضرت نوح ﷺ کی قوم میں شرک پیدا ہوا، جس کا سبب نیک لوگوں کی محبت میں غلو اور اپنے پیغمبر کی دعوت سے اعراض تھا۔ جب حضرت نوح ﷺ نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔

﴿لَا نَذِرُنَّ إِلَهَنَّكُمْ وَلَا نَذِرُنَّ وَدًا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ (نوح: ۷۱)

(نوح: ۷۱/۷۲)

”تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور نہ وَدَ، سواع، یغوث، یعوق اور نسرا کو چھوڑنا۔“

حضرت ابن عباس ہی سے صحیح بخاری میں مقول ہے کہ مذکورہ پانچوں بت، قوم نوح کے پانچ نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ صالحین فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کے مجتہے بنائک اپنی ان محلوں میں رکھ لیں جن میں وہ بیٹھا کر تھے، اور ان مجسموں کو ان صالحین کے ناموں ہی سے موسم کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا

ہی کیا لیکن (یہ کام انہوں نے محض ان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے کیا تھا) انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ البتہ جب ایک نسل ختم ہو گئی، تو پھر بعد میں آنے والوں نے ان مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ قوم نوح کے یہ پانچوں بت عرب میں بھی پوجے جاتے رہے۔ چنانچہ وَذَ دو مرد الجندل میں قبیلہ کلب کا۔ سوانع، قبیلہ ہذیل کا۔ نیغوث، قبیلہ مراد، پھر سما کے نزدیک جرف میں بنو غطیف کا۔ یووق قبیلہ ہدان کا اور نسر، آل ذوالکلاع کی شاخ، حمیر کا معبدود رہا۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ نوح، ح: ۳۹۰)

حضرت ابن عباس کے اس اثر سے یہ واضح ہوا کہ قوم نوح میں شرک کا آغاز صلح لوگوں کی محبت میں غلو کرنے سے ہوا۔ اس غلو محبت نے پہلے ان سے ان کی تصویریں اور ان کے مجتہے تیار کروائے، پھر ان کو اپنی بیٹھکوں اور دیواروں پر نصب کروا یا۔ یہی مجتہے پھر قابل تعظیم اور قابل عبادت قرار پا گئے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تصویریں اور مجسموں کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ یہ مجتہے ہی ہر دور میں شرک کا ذریعہ رہے ہیں۔ آج بھی اس حقیقت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، جاہل عوام آج بھی پیروں، فقیروں اور حقیقی و مصنوعی بزرگوں حتیٰ کہ ننگ دھڑنگ ملکتوں کی تصویریں کو گھروں اور دکانوں میں سجا کر رکھنے کو برکت کا باعث سمجھتے ہیں اور ان کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جیسے مشرکین اپنے معبدوں کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ یہ تعظیم بے جا اور غلو محبت ہی عوام کو بذریعہ شرک کی طرف لے جاتا ہے اور پھر وہ ان فوت شدگان ہی کو حاجت روا، مشکل کشا اور نافع و ضار سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ فرعوذ باللہ من هذا الغلو و

فساد العقيدة۔



شرک کیا ہے اور مشرک کون ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرِكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ (النساء / ٤٨) ﴿٤٨﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا، اس کے علاوہ جو گناہ ہوں گے تو وہ جس کے لئے چاہے گا، معاف فرمادے گا اور جو اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو یقیناً اس نے ایک بہت بڑا گناہ (ہستان) باندھا۔“

ایک دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا مَن يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَمَ اللَّهَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا أَنْوَهَ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ﴾ (المائدۃ / ٥٧) ﴿٥٧﴾

” بلاشبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اور اس کا ٹھکانا جنم ہے اور ظالموں (مشرکوں) کے لئے کوئی مددگار نہیں ہو گا۔“

اس قسم کی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت کی ہے، اسے ظلم عظیم قرار دیا ہے اور اسکی وجہ سے تمام اعمال کے باطل ہونے کی خردی ہے۔ شرک کی اتنی مذمت کیوں کی گئی ہے؟ اسلئے کہ یہ ناقابل معافی جرم ہے، اگر ایک مشرک نے دنیا ہی میں شرک سے توبہ نہ کی اور توحید کا راستہ نہ اپنایا اور شرک کرتے کرتے ہی فوت ہو گیا، تو اس کیلئے معافی کی کوئی صورت نہیں، اس کیلئے جنم کی دائی سزا ہے۔ جیسے کافر، اللہ کو نہ ماننے والا یہی شہ جہنم میں رہے گا، ایسے ہی اللہ کو ماننے کے باوجود شرک کرنے والا یہی شہ جہنم میں رہے گا، ان دونوں کو جنم کے عذاب سے کبھی نجات نہیں ملے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر

نبی نے آکر اپنی قوم کو سب سے پہلے توحید ہی کا درس دیا اور اسے شرک سے روکا، جیسا کہ قرآن میں صراحت ہے۔

شرک کیا ہے؟ جب شرک کی سزا دائی جنم ہے اور تمام انبیاء نے رذ شرک ہی کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ تو ضروری ہے کہ ہم معلوم کریں کہ شرک کیا ہے؟

دو خالقوں اور دو معبودوں کا عقیدہ

شرک کی پہلی قسم : شرک کا ایک مطلب ہے، ذات کے اعتبار سے مختلف اللہ (معبود اور کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھنے والے) تسلیم کرنا۔

یعنی یہ عقیدہ رکھا جائے کہ کائنات کا خالق و مالک اور اس کا مدبر و منتظم ایک معبود نہیں ہے، بلکہ کئی معبود ہیں۔ جیسے جو مسیحیوں (آتش پرستوں) کا عقیدہ تھا اور ہے کہ کائنات میں خالق دو ہیں، ایک شرکا خالق، دوسرا خیر کا۔ ایک ظلمت کا خالق، دوسرا نور کا۔

اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کی نفی فرمائی اور فرمایا کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہر چیز کا خالق صرف ایک ہی ہے اور مدبر و منتظم بھی صرف وہی ایک۔ کیونکہ اگر کائنات میں دو اللہ (معبود) ہوتے اور اس میں دونوں کا تصرف اور ارادہ کا فرمایا ہوتا تو یہ نظام عالم اس طرح کبھی درست نہ رہتا جیسے وہ ہزاروں سال سے ہے۔ چناند سورج کا طلوع و غروب، رات اور دن کا آنا جانا، موسموں کا تغیر و تبدل، کبھی بہار، کبھی خزان، سردی گرمی، سرديوں میں دونوں کا چھوٹا اور راتوں کا لمبا ہو جانا اور گرمیوں میں اس کے برعکس دونوں کا لمبا اور راتوں کا چھوٹا ہو جانا۔ یہ نظام عالم ہزاروں سال سے یوں ہی قائم چلا آ رہا ہے، اس میں کبھی تبدلی آئی ہے نہ اس میں کوئی گز بڑھوئی ہے اور نہ اس کے درمیان کبھی کوئی تصادم ہی ہوا ہے۔ یہ یکسانیت، استحکام اور ہر چیز کی مستواری، اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا بھی ایک ہے اور اس میں نظم و تصرف بھی اسی کا کار فرمایا ہے۔ نہ اس کی تخلیق میں کسی اور کی شرکت ہے نہ اس کی تدبیر و انتظام میں کسی اور کا حکم چلتا ہے۔ کیونکہ خالق اگر ایک کی بجائے دو یا اس سے زیادہ ہوتے تو یہ استحکام و مستواری کبھی نہ ہوتی۔ قرآن نے اس کو

یوں بیان فرمایا:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الأنبياء / ٢١-٢٢)

”اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبد ہوتے تو آسمان و زمین کا یہ نظام خراب ہو جاتا۔“

یعنی اگر واقعی آسمان و زمین میں دو یا اس سے زیادہ معبد ہوتے تو کائنات میں تصرف کرنے والی کئی ہستیاں ہوتیں، مختلف معبدوں کا ارادہ و شعور کار فرمائہ ہوتا اور جب ایسا ہوتا یعنی کئی ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلا تو یہ نظم کائنات اس طرح قائم رہے ہی نہیں سکتا تھا جو ابتدائے آفرینش سے بغیر کسی ادنیٰ توقف کے قائم چلا آ رہا ہے۔ کیونکہ ان کا ارادہ ایک دوسرے سے مکراتا، ان کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا، ان کے اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے، جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ و مشیت کار فرمائے جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف اور صرف اسی کے حکم پر ہوتا ہے، اس کے دیے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے، اس کو کوئی دینے والا نہیں۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا:

﴿مَا أَنْخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَيْوٍ وَمَا كَانَ مَعَمُونٌ مِنْ إِلَهٍ إِذَا لَذَّهَبَ كُلُّ إِلَّاهٍ بِمَا

خَلَقَ وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ (المؤمنون / ٩١-٩٢)

”اللہ کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبد ہی ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر معبد اپنی پیدا کردہ چیز کو خود لے جاتا (اور اس میں اپنی مرضی سے تصرف کرتا) اور ان میں ایک، دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔“

مطلوب ان دونوں آئیوں کا یہ ہے کہ جب نظم عالم میں آج تک کوئی اختلال و فساد رونما نہیں ہوا تو مان لینا چاہیئے کہ کائنات میں خالق و مالک اور مدبر و نظم ایک ہی اللہ ہے، اس کا انکار بد اہت اور روزِ روشن جیسی حقیقت کا انکار ہے۔

شرک کی دوسری اور عام قسم: شرک کی دوسری قسم، جو عام ہے، اللہ کی ذات میں تو

نہیں، اس کی صفات میں دوسروں کو شریک کرنا ہے، جیسے عالم الغیب ہونا۔ دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سن لیتا، ماورائے اسباب طریقے سے نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہونا، وغیرہ۔ یہ سب اللہ کی خاص صفات ہیں، اللہ کے سوا کوئی بھی ان صفات کا حامل نہیں ہے، نہ کوئی بُنی، نہ کوئی ولی، نہ کوئی اور ہی۔ اگر کوئی اللہ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھتا ہے، ہر ایک کی فریاد سننے پر اور مافوق الاسباب طریقے سے نفع نقصان پہنچانے پر قادر سمجھتا ہے، تو گویا اس نے اللہ کی صفات دوسروں میں مان کر انکو اللہ کا شریک قرار دے لیا۔

اسی طرح عبادت کا حق صرف ایک اللہ کا ہے، عبادت کی تمام قسمیں اسی کے لئے ہیں، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اس کے سامنے دست بستہ تعظیماً کھڑے ہونا، نذر و نیاز دینا، اس سے دعائیں کرنا، مافوق الاسباب طریقے سے اس کی گرفت سے ڈرنا اور اس سے امیدیں وابستہ کرنا وغیرہ۔ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جو صرف اللہ کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے نماز بھی صرف اللہ کے لئے پڑھی جاسکتی ہے، نیاز بھی اسی کے نام کی دی جاسکتی ہے، تعظیم کے طور پر دست بستہ قیام بھی اسی کا حق ہے، دعائیں مانگنا اور استمداد و استغاثۃ کرنا بھی اسی سے جائز ہے۔

ان میں سے کوئی کام بھی کسی اور کیلئے کیا جائے گا، تو وہ شرک ہو جائے گا اور یہ شرک توحید الوہیت میں ہو گا۔ شرک کی یہ دوسری قسم بہت عام رہی ہے۔ مشرکین عرب کا شرک بھی یہی تھا، ہندو، جو موریتیوں کے بچاری ہیں، انکا شرک بھی یہی ہے اور آج کل کے نام نہاد مسلمانوں کے اندر بھی اس شرک کے مظاہر عام ہیں۔ اس شرک کے مرتكب توحید روہیت کے قاتل رہے ہیں اور ہیں۔ توحید روہیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اور سب کا پالنما ر صرف ایک اللہ ہے۔ چنانچہ قرآن میں صراحت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ قُلْ لَمَّا يَأْتِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾^{A2} سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴾^{A3} قُلْ مَنْ رَبُّ الْسَّمَاوَاتِ الْأَسْمَاعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴾^{A4} سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا نَنَقُولُ ﴾^{A5} قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَاءٍ وَهُوَ يُحِيدُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾^{A6}

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ (المؤمنون ۲۳ / ۸۹۸۴)

”ان سے پوچھئے! زمین اور جو کچھ اس میں ہے، کس کا ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو؟ تو وہ جواب دیں گے۔ (یہ سب) اللہ کا ہے..... ان سے پوچھئے، ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ تو وہ یقیناً کہیں گے، اللہ ہی ہے..... ان سے پوچھئے! کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے؟ اور وہی سب کو پناہ دیتا ہے، اس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دی جاسکتی، تو وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب کام اللہ ہی کے ہیں.....“

﴿ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْنَ يَمْلِكُ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَنْ يُنْجِحُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُنْخِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ لِلَّهِ﴾ (یونس ۱۰/۳۱)

”پوچھئے! کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی پہنچا رہا ہے؟ یا کون ہے جو مالک ہے (تمہارے) کاموں اور آنکھوں کا؟ اور کون ہے جو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے؟ اور کون ہے جو تدبیر کرتا ہے سارے کاموں کی؟ تو وہ (ان سب کے جواب میں) کہیں گے، اللہ۔“

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتُهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُوا إِنَّمَا (الزمر ۳۹/۳۸)

”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کئے آسمان اور زمین؟ تو ضرور کہیں گے، اللہ نے۔“

قرآن کریم کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ مشرکین عرب مانتے تھے کہ آسمان و زمین کا خالق اللہ ہے، روزی رسول اللہ ہے، کائنات کی تدبیر کرنے والا اللہ ہے، زندگی دینے اور موت سے ہمکنار کرنے والا اللہ ہے اور ہر چیز کا اختیار اسی کے پاس ہے۔ جب وہ یہ سب کچھ مانتے تھے، تو پھر وہ مشرک کیوں قرار پائے؟ اسی لئے کہ وہ صرف توحید رو بیت کو مانتے تھے اور توحید الوہیت کے قائل نہیں تھے اور خدا تعالیٰ اختیارات و اوصاف میں اور اس کے حق عبادت میں دوسروں کو شریک مانتے تھے، اس لئے اللہ نے ان کو مشرک قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف توحید رو بیت کو مان لینا کافی نہیں ہے، اس کے قائل تو

مشرکین عرب بھی تھے۔ توحید روہیت کے ساتھ توحید الوہیت کا ماننا بھی ضروری ہے، جب تک توحید الوہیت کو نہیں مانا جائے گا، توحید کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔ یعنی یہ تسلیم کیا جائے کہ جس طرح وہ ذات کے اعتبار سے واحد ہے، اسی طرح صفات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے، اس کی سی صفات کسی کے اندر نہیں پائی جاتیں۔ اسی طرح عبادت کی تمام قسموں کا مستحق بھی صرف اور صرف وہی ہے جس طرح نماز، اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں پڑھی جاسکتی روزہ، اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں رکھا جاسکتا، اسی طرح نذر و نیاز بھی اللہ کے نام کے سوا کسی کے لئے نہیں دی جاسکتی کیونکہ نذر بھی عبادت ہے، دعا بھی اللہ کے سوا کسی سے نہیں مانگی جاسکتی، کیونکہ دعا بھی عبادت ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) طواف بھی بیت اللہ کے سوا، کسی اور جگہ کا نہیں کیا جاسکتا۔

افسوں ہے کہ آج مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت بھی مشرکین عرب کی طرح توحید روہیت کی تو قائل ہے، لیکن توحید الوہیت کی منکر ہے، اس لئے وہ مافق الاسباب طریقے سے غیر اللہ سے بھی امیدیں وابستہ کرتی ہے، غیر اللہ کے نام کی بھی نذر و نیاز دیتی ہے غیر اللہ سے بھی استدرا و استغاش کرتی ہے۔ قبروں کا طواف کرتی ہے، بہت سے لوگ قبروں کو سجدہ تک کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ غیر اللہ میں بھی اللہ والی صفات تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ شرک ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سی اور کافری کیا ہے؟ (علامہ اقبال)

کیا مسلمانوں کو ان کے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے
مشرک نہیں کیا جاسکتا؟ ایک مغالطے کی وضاحت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جو لوگ آستانوں اور قبروں پر جا کر استغاش و استدرا کرتے، حتیٰ کہ ان کی قبروں کو سجدے تک کرتے ہیں، انہیں مشرک نہیں کیا جاسکتا، یا انہیں مشرک نہیں کہنا چاہئے، ان کا استدلال یہ ہے کہ قرآن نے مشرکین کی اصطلاح صرف

اہل مکہ اور عرب کے دیگر مشرکین کے لئے استعمال کی ہے اور یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کما ہے، حالانکہ ان کے عقیدے بھی مشرکانہ ہی تھے، لیکن ان کو قرآن مجید میں اللہ نے مشرک کے لفظ سے مخاطب نہیں فرمایا۔ یہ استدلال علمی لحاظ سے اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ نزول قرآن کے وقت جو فرقے تھے، وہ ویسے تو سارے ہی کافر اور مشرک تھے، اللہ تعالیٰ سب کے لئے کفار و مشرکین کے الفاظ استعمال فرماسکتا تھا اور واقعات کے اعتبار سے یہ صحیح ہوتا۔ لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود و نصاریٰ عقیدے کے لحاظ سے مشرک نہیں تھے؟ اور صرف بقوں کے پجاري عرب ہی مشرکانہ عقیدوں کے حوال تھے؟ یقیناً یہ وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ عقیدوں کی وضاحت خود قرآن نے کی ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ حضرت مریم کو الہ (معبدو) مانا مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ کیا اللہ کی بابت یہ کہنا کہ وہ ”تین (حدائق) میں سے تیرا ہے“ مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ حضرت عزیز اور حضرت مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دینا مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ اور کیا قرآن نے ان کے ان عقیدوں کو لفظ لفڑے تعبیر نہیں کیا ہے؟ اگر ان بالتوں کا جواب اثبات میں ہے (اور یقیناً اثبات میں ہے)، کیونکہ یہ سب قرآن میں مذکور ہے) تو پھر سوال یہ ہے کہ ان کے مذکورہ عقیدوں کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کو مشرک اور کافر کما جاسکتا ہے یا نہیں؟ کافر کا لفظ تو ان کے لئے صراحتہ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔ گویا اصل سوال یہ رہ گیا، انہیں مشرک کما جاسکتا ہے یا نہیں؟

ہمارا جواب یہ ہے کہ مذکورہ عقیدے مشرکانہ ہیں، اس لئے ان عقیدوں کے حامیوں بھی یقیناً اسی طرح مشرک ہیں، جیسے لات و عنزیٰ کے پجاري مشرک تھے۔ اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ پھر قرآن نے ان کو صراحت کے ساتھ مشرک کیوں نہیں کہا؟ اور انہیں مشرکین عرب کے مقابلے میں اہل کتاب کے الفاظ سے کیوں مخاطب کیا؟ ہمارے ناقص فہم کے مطابق اس کی اصل وجہ تمام موجود فرقوں کا امتیاز اور تشخض تھا، اگر سب کیلئے ایک ہی لفظ ”مشرک“ استعمال کیا جاتا، تو کسی بھی فرقے کا امتیاز باقی نہ رہتا، جب کہ اللہ کی مشیت، ان کے امتیاز کو باقی رکھنا تھی۔ یہود و نصاریٰ کا امتیاز یہ تھا کہ وہ اللہ اور رسولوں کے ماننے والے تھے، انہیں آسمانی

کتابوں سے بھی نواز آگیا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ عمل و اعتقاد کی خرایوں میں بتلا ہو گئے۔ انہیں بار بار اہل کتاب کے لفظ سے خطاب کرنے میں بھی حکمت تھی کہ انہیں ان کے جرم اور معصیت و طغیان کی شناخت و قباحت کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کر کے دھکلایا جاتا اور وہ اسی طرح ہو سکتا تھا کہ انہیں یاد دلایا جاتا کہ تم لوگوں نے اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ یہ کیا اور اس قسم کے عقیدے گھڑ لئے، جو صریحاً کفر ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان کے اندر شرک نہیں پایا جاتا تھا اور اس اعتبار سے وہ مشرک نہیں تھے۔ یقیناً جس طرح وہ کافر تھے، مشرک بھی تھے۔ انہیں اہل کتاب صرف عربوں سے ممتاز کرنے کیلئے کہا گیا، جیسے عربوں کو قرآن نے اُمی بھی کہا، کیونکہ ان کی اکثریت ان پڑھ تھی، جب کہ اہل کتاب میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ قائم تھا، اس لئے انہیں اُمی نہیں کہا گیا۔ اس کی وجہ اس معاملے میں دونوں کا اپنا اپنا امتیاز تھا، عرب بالعلوم ان پڑھ تھے اور اہل کتاب کی اکثریت پڑھی لکھی۔ اس لئے ایک کو اہل کتاب اور دوسرے کو اُمی کہا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عربوں میں کوئی بھی پڑھا لکھا نہ تھا ایں اہل کتاب میں کوئی ان پڑھ نہ تھا، یہ عمومی اعتبار سے ان کا ایک شخص تھا جس کو اللہ نے ایک حکمت و مصلحت کے تحت باقی رکھا۔ اس سے قطعاً یہ مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اہل کتاب کو مشرک نہیں کہا جا سکتا۔ اسکو ایک اور مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِرِينَ وَالْمَجْوَسَ وَالَّذِينَ

أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (الحج ۲۲/۱۷)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا، اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان تمام گروہوں کا الگ الگ نام لیا، جو نزول قرآن کے وقت عرب یا اس کے قرب و جوار میں تھے اور امتیازی ناموں سے معروف تھے، ان میں اہل ایمان اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ صابئین اور مجوس کا نام بھی ہے، ”صابئین“ فرشتوں اور ستاروں کے پچاری تھے، مجوس، سورج پرست اور آتش پرست تھے، بلکہ مجوس دو خالق مانتے تھے، ایک

نور اور خیر کا خالق اور دوسرا ظلمت اور شر کا خالق اور یہ دنیا کا واحد فرقہ ہے جو ذات کے اعتبار سے تعدد اللہ کا قائل ہے۔ ورنہ دیگر تمام مشرکین ذات کے اعتبار سے ایک ہی اللہ کے قائل رہے ہیں، وہ صرف صفات کے اعتبار سے دوسروں کو خدا تعالیٰ اختیارات کا حامل سمجھتے تھے، جیسے آج کل کے قبر پرست ہیں۔ گویا دنیا میں اصل اور سب سے بڑے مشرک محسوس تھے اور ہیں، لیکن قرآن نے ان کا ذکر مشرکوں کے ساتھ نہیں کیا، بلکہ ان کے امتیازی نام سے ان کا ذکر کیا، صابئین کا بھی ان کے امتیازی نام سے ذکر کیا اور ان سب کا نام لینے کے بعد فرمایا، «وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا» ”اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا“ یعنی بتوں کے پچاریوں کو الگ مشرکین کے لفظ سے یاد کیا، جب کہ صابئین بھی ستارہ پرست اور محسوس بھی سورج پرست و آتش پرست تھے اور اس اعتبار سے یقیناً یہ بھی کہے مشرک تھے، لیکن اس کے باوجود قرآن نے ان کا ذکر مشرکین سے الگ کیا۔ کیا اس سے یہ استدلال صحیح ہو گا کہ صابئین اور محسوس مشرک نہیں ہیں یا انہیں مشرک نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ قرآن نے ان کے لئے مشرکین کی اصطلاح استعمال نہیں کی؟

اگر صابئین اور محسوس اپنے عقیدوں کے اعتبار سے مشرک ہیں اور انہیں مشرک کہا جا سکتا ہے، حالانکہ قرآن نے انہیں مشرک نہیں کہا، بلکہ مشرکین سے الگ ان کا ذکر کیا ہے۔ تو یقیناً یہود و نصاریٰ کو بھی ان کے عقیدوں کی بنابر پر مشرک کہا جا سکتا ہے، گو قرآن نے ان کا ذکر مشرکین سے الگ کیا ہے۔ کیونکہ امتیاز کے لئے الگ الگ نام لینا ضروری تھا۔ اسی طرح جو نام نہاد مسلمان مشرکانہ عقائد و اعمال میں بتلا ہیں، وہ مسلمانوں میں شمار ہونے کے باوجود مشرک کیوں نہیں ہو سکتے؟ یا انہیں مشرک کیوں نہیں کہا جاسکتا؟

یہ ساری گفتگو ہم نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کی ہے کہ قرآن نے یہود و نصاریٰ کو مشرک نہیں کہا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ دعویٰ بھی مکمل طور پر صحیح نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ صراحتاً انہیں مشرک نہیں کہا گیا، لیکن قرآن نے انکے مشرک ہونے کی طرف واضح اشارہ ضرور کیا ہے، زیستی قرآن نے کہا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الظَّالِمُونَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ﴾

الْمَسِيحُ يَنْبَغِي إِسْرَئِيلَ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّمَا مَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وَالْمَوْلَةُ الْأَنْثَارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٧١﴾

(المائدۃ / ۵)

”یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا، جنہوں نے کماکہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ اور مسیح نے کہا، اے بنو اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو، جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ بلاشبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جنم ہے اور ظالموں (مشرکوں) کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔“

قرآن کریم کی اس آیت کا سیاق واضح کر رہا ہے کہ مسیحیوں کا عقیدہ ابنت مسیح جیسے کفر ہے، وہ شرک بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کفر کے لئے صریح لفظ استعمال کیا گیا ہے، جب کہ شرک کے لئے تعریض و کنایہ کا انداز اپنایا گیا ہے۔ اگر ابنت مسیح کا عقیدہ شرک نہ ہوتا یا کم از کم یہ کہا جائے کہ قرآن نے اسے شرک سے تعبیر نہیں کیا ہے، تو یہاں ﴿مَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ﴾ کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ یہ عقیدہ شرک ہے، تب ہی تو اللہ نے اس عقیدے کو کفر سے تعبیر کر کے شرک کی سزا بیان فرمائی ہے، ورنہ یہ کہا جاتا، ﴿وَمَنْ يَكْفُرُ بِاللَّهِ... وَمَنْ يَكْفُرُ بِاللَّهِ﴾ کی جگہ ﴿وَمَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ﴾ کہہ کر واضح کر دیا گیا کہ کسی کا امتیازی نام کچھ بھی ہو، لیکن اگر اس کے عقیدہ و عمل میں شرک کی آمیزش پائی جائے، تو اس کے عقیدے کو شرک اور خود اس کو مشرک کہا جا سکتا ہے، اسی لئے قرآن نے یہاں ان کو ظالم سے بھی تعبیر کیا ہے جو یہاں یقیناً مشرک ہی کے معنی میں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی دوسری آیت ہے:

﴿أَنْخَذُوا أَخْبَارَهُمْ وَرَهَبُوكُنَّهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُورِنَ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ أَبْنَ مَرِيكَمْ وَمَا أُمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَكْمَا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ (التوبۃ / ۹)

”ان یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور رویشوں کو، اللہ کے سوا، رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، جس

کے سوا کوئی اللہ نہیں، وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو وہ شریک نہ رہاتے ہیں۔“
یہاں بھی قرآن کے سیاق سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا اپنے علماء کو رب بنا لینا اور (عیسائیوں کا) مسیح ابن مریم کو رب بنا لینا شرک ہے، اس شرک سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اور جب ان کا یہ عقیدہ شرک ہے جس سے اللہ تعالیٰ براءت کا اظہار فرمائے ہے، تو یہود و نصاریٰ یقیناً مشرک ہوئے۔ اس لئے جب بھی ان کے فساد عقیدہ کی بات ہو گی، تو ان کے فاسد عقیدے کو شرک اور خود ان کو مشرک کہا جائے گا، گو اصطلاح یا امتیاز کے طور پر انہیں بالعموم اہل کتاب ہی کے الفاظ سے موسم کیا جائے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے بدکاری کے مرتكب کو زانی، چوری کرنے والے کو چور، ڈاکہ مارنے والے کو ڈاکو کہا جاتا ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو، دنیا کے کسی بھی مذہب سے اس کا تعلق ہو۔ اسی طرح جو بھی مشرکانہ عقیدہ و عمل کا حامل اور مرتكب ہو گا، اس کے عقیدہ و عمل کو شرک اور خود اسے مشرک کہا جائے گا، چاہے وہ کوئی بھی ہو اور کسی بھی مذہب سے اس کا تعلق ہو۔

باقي رہا مسئلہ کہ جمالت یا ناجمیگی کی وجہ سے اسے کچھ رعایت مل سکتی ہے یا نہیں؟ اس کی بابت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، یہ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، جس کا فیصلہ وہ روز قیامت ہی فرمائے گا۔ علماء کی ذمے داری بلاغ مبین (کھول کر بیان کر دینا) ہے اور اس بلاغ مبین میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جو عقیدہ یا عمل جیسا ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی وضاحت کریں، اس پر تاویلات کا پرده ڈالیں نہ مصلحت کا نقاب۔ وہ حلال ہے یا حرام، سنت ہے یا بدعت، شرک ہے یا توحید؟ ہر عمل کی وضاحت علماء کا منصبی فریضہ ہے، تاکہ لوگ حلال کو اختیار کریں، حرام سے بچیں، سنت پر عمل کریں، بدعت سے گریز کریں اور شرک سے بچیں اور توحید کا راستہ اپنائیں۔

کیا امت مسلمہ شرک کا رتکاب نہیں کرے گی؟

ایک اور مغالطے کی وضاحت

ایک اور بات یہ کہی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”مجھے تم سے یہ

اندیشہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ تم دنیا میں، ایک دوسرے کے مقابلے پر، رغبت کرو گے۔ ”صحیح بخاری، الجنائز، باب الصلاة علی الشهید، ح: ۳۲۲“

جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد میری امت کے شرک میں بٹلا ہونے کا اندیشہ نہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ مسلمان مشرکانہ عقائد و اعمال میں بٹلا ہی نہیں ہوں گے، پھر انہیں مشرک کیوں کر کما جا سکتا ہے؟

جمال تک اس فرمانِ رسول کا تعلق ہے، بلاشبہ صحیح ہے۔ اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ امت محمدیہ کا کوئی فرد بھی کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ کیونکہ دوسری متعدد احادیث میں آپ نے اپنی امت کے افراد کے بھی شرک میں ملوث ہونے کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، الفتن، ح: ۱۱۶، صحیح مسلم، الفتن، ح: ۲۹۰)

سند کے لحاظ سے یہ روایات بھی صحیح ہیں۔ اب یا تو ان دونوں صحیح روایات میں تعارض تسلیم کیا جائے؟ یا پھر ان کا مطلب ایسا لیا جائے کہ ان کے ماہین تعارض نظر نہ آئے۔ ہمارے نزدیک یہ دوسرا نقطہ نظر ہی صحیح ہے، کیونکہ دو صحیح حدیثوں میں حقیقی تعارض ہو ہی نہیں سکتا، جو ظاہری تعارض نظر آتا ہے، وہ اپنی ہی کم فہمی کا نتیجہ ہوتا ہے، حقیقت میں تعارض نہیں ہوتا اور محدثین ان میں ایسی تقطیق دے لیتے ہیں کہ دونوں روایات اپنے اپنے محل میں ٹھیک یہیں جاتی ہیں۔

اول الذکر حدیث کی بابت بھی محدثین نے وضاحت فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان صحابہ کرام کے متعلق ہے، یہ آپ نے اپنی ساری امت کی بابت نہیں، بلکہ صرف صحابہ کی بابت فرمایا ہے۔ کہ مجھے ان سے شرک کا اندیشہ نہیں۔ ضمیر خطاب میں خطاب، صحابہ سے ہے، ساری امت سے نہیں۔ اور اگر اسے ساری امت سے متعلق مانا جائے تو مطلب ہو گا کہ ساری امت شرک میں بٹلا نہیں ہوگی، بلکہ اگر کچھ لوگ شرک کریں گے، تو ایک گروہ توحید پر ضرور قائم رہے گا اور اس کی طرف دعوت دے گا۔ چنانچہ اہل توحید و

اہل سنت کا ایک گروہ ایسا چلا آ رہا ہے اور اب بھی ہے کہ وہ مشرکانہ عقائد و اعمال سے پاک اور توحید و سنت پر قائم ہے اور اہل توحید و اہل حق کا یہ گروہ قیامت تک موجود رہے گا۔

دیگر ارشادات رسول کی روشنی میں زیر بحث نکتے کی وضاحت : علاوه ازیں سد باب کے طور پر نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو بہت سی ایسی تنبیہات فرمائی ہیں جن کا مقصد امت کو شرک سے بچانا اور عقیدہ توحید کی حفاظت کرنا ہے۔ اگر امت مسلمہ کا شرک میں بتلا ہونے کا اندیشہ ہی نہ ہوتا تو ان تنبیہات اور انسدادی احکام کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ نبی ﷺ کے ان تنبیہی احکام سے بھی اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ انسانی کمزوریوں اور سابقہ امتوں کے طرز عمل کے پیش نظر یقیناً آپ کے سامنے یہ اندیشہ رہا کہ آپ کی امت بھی شرک کی دلدل میں پھنس سکتی ہے۔ چنانچہ اس سے بچنے کے لیے آپ نے حسب ذیل باتوں کی بطور خاص تأکید فرمائی۔

① آپ نے اپنی شان اور مدحت و تعریف میں غلو کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ چیز عقیدت مندوں کو مددوں کی عبادت کرنے تک پہنچادیتی ہے۔ جیسے عیسائیوں کے ہاں ہوا، انہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی شان میں غلو کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں عبد سے معبدوں بن گئے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُطْرُوْنِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرِيمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ،

فَقُولُواْ: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ» (صحیح البخاری، احادیث الانبیاء، باب قول الله

تعالیٰ «وَاذْكُر فِي الْكِتَابِ مُرِيمًا»، ح: ۳۴۴۵)

”تم مجھے میری حد سے اس طرح نہ بڑھانا جیسے عیسائیوں نے ابن مریم (حضرت عیسیٰ) کو بڑھادیا، پس میں تو صرف اس کا بندہ ہوں، تو تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔“

② نبی ﷺ نے قبروں کو بختہ کرنے اور ان پر عمارتیں بنانے وغیرہ سے منع فرمایا:

«نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يَهْنَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنَى

علیہ» (صحیح مسلم، الجنائز، باب النہی عن تجھیص القبر...، ح: ۹۷۰) «رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو چونہ گچ (پختہ) کرنے سے، ان پر بیٹھنے سے اور ان پر عمارت تغیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔»

اسی طرح قبر پر نام وغیرہ لکھنے سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے منع کرنے میں بھی حکمت یہی ہے کہ لوگ شرک سے دور رہیں۔ کیونکہ قبروں کو پختہ کرنا یا ان پر قبے وغیرہ بنانا یا ان کے ناموں کی تختی لگانا یہ صالحین کی یا ان کی قبروں کی تعظیم میں غلوکرنے ہی کا نتیجہ ہے، جو مفہومی الی الشرک ہے۔

③ قبروں پر بیٹھنے اور ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا:

«لَا تُصَلِّوْا إِلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا» (صحیح مسلم، الجنائز، باب

النہی عن الجلوس علی القبر والصلة علیه، ح: ۹۷۱)

”تم قبروں کی طرف نماز پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔“

قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے میں بھی اندیشہ، شرک پایا جاتا ہے، اسی طرح اگر بیٹھنے سے مراد مجاور بن کر بیٹھنا مراد لے لیا جائے (کیونکہ یہ بھی بیٹھنے میں آ جاتا ہے) تو یہ بھی تعظیم قبور میں غلوکی شکل ہے، جو نہایت خطرناک ہے۔

④ پچھلی امتوں (یہود و نصاری) نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کے ساتھ یہی غلو کیا اور انہوں نے قبروں کو عبادت کاہیں بنالیا، جس پر وہ لعنت کے مستحق قرار پائے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا:

«لَعْنَ اللهِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

”الله تعالیٰ یہود و نصاری پر لعنت فرمائے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کاہیں بنالیا۔“

اس کی روایہ حضرت عائشہؓ بیان حادیث مذکور بیان کر کے فرماتی ہیں:

«لَوْلَا ذَلِكَ أَبْرِزَ قَبْرَهُ غَيْرَ أَهُوَ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا» (صحیح البخاری، الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي ﷺ وأبی بکر و عمر رضی اللہ عنہما،

ح (۱۳۹۰)

”اگر مذکورہ اندیشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک ظاہر کر دی جاتی (یعنی اسے کسی کھلی جگہ پر بنایا جاتا) مگر آپ نے اندیشہ محسوس کیا کہ کہیں اسے سجدہ گاہ نہ بنایا جائے۔“

ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَئِيَّاَتِهِمْ وَصَالِحِينَهُمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنَّمَا أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ»

(صحیح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور ...، ح: ۵۳۲)

”خردار! تم سے پہلے جو لوگ تھے، وہ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنائیتے تھے، سنو! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ علیہما السلام نے جب شے میں ایک گرجاویکھا، جس میں تصویریں تھیں، انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا، تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ أُولَئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسَجِدًا وَصَوَرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَ، فَأُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحیح البخاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية ویتَخَذَ مَكَانَهَا مساجد، ح: ۴۲۷)

”یہ لوگ، جب ان میں نیک آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر سجدہ گاہ بنایتے اور اس میں اس کی تصویریں رکھ لیتے، یہ لوگ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے نزدیک خلوق میں سب سے بدترین ہوں گے۔“

⑤ نبی کریم ﷺ نے اپنی قبر مبارک کے بارے میں خاص طور پر حکم دیا:
«لَا تَجْعَلُوا قَبْرِيْ عِيْدًا» (سنن أبي داود، المناسك، باب زیارة القبور،

ح: ۲۰۴۲)

”میری قبر کو عید (میلے کی جگہ) نہ بنانا۔“

عید' کے لفظی معنی ہیں، بار بار لوٹ کر آنا۔ مسلمانوں کے دو ملی تھوار ہیں عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔ ان کو بھی عید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ تھوار بھی ہر سال لوٹ لوٹ کر آتے ہیں۔ مطلب نبی ﷺ کا یہ تھا کہ جس طرح مشرکین اپنے بتوں کے سالانہ میلے مناتے ہیں، اسی طرح تم میری قبر پر میلہ نہ لگانا کہ تم ہر سال اس میلے کے نام پر میری قبر پر آؤ اور بعض شارحین نے اس کے معنی کئے ہیں۔

”میری قبر پر زیارت کے لیے اجتماع نہ کرنا جیسے عید پر اجتماع کرتے ہو۔“ (عون المعبود

شرح سنن ابی داود - ۱/۲۷۱، طبع قبیم)

اس کا مطلب بھی وہی میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کرنا ہے۔ اس سے روک دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے بھی شرک ہی کی راہ ہموار ہوتی ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں:

«هَذَا إِشَارَةٌ إِلَى سَدِّ مَذْخَلِ التَّخْرِيفِ كَمَا فَعَلَ الْيَهُودُ وَالْتَّصَارِيُّونَ
بِقُبُورِ أَنْبِيَائِهِمْ وَجَعَلُوا عِيْدًا وَمَوْسِيًّا بِمُتْرَأَةِ الْحَجَّ» (حجۃ اللہ
البالغة: ۲/۷۷ طبع مصر)

”اس فرمان سے دین میں تحریف کے دروازے کو بند کرنا مطلوب ہے کہ کہیں یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرز پر اپنے بزرگوں کی قبروں کو حج کی طرح موسم اور عید ہی نہ بناؤ لے۔“

اسی لیے آپ نے اپنی امت کو مذکورہ حکم دینے کے ساتھ ساتھ بارگاہ الٰہی میں بھی دعا فرمائی:

«اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنَّا يَعْبُدُ» (مسند أحمد: ۲/۴۶، والمصنف لابن أبي شيبة: ۳/۳۴۵)

”اے اللہ میری قبر کو ایسا بنت نہ بنانا جس کی پوجا کی جائے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو خاص قابل تعظیم سمجھنا، بار بار اس کی زیارت کے لیے آنا، یا حاجت برآری کے لیے وہاں حاضری دینا، اس قبر کو بت بنا دینے اور سمجھنے کے

متراوف ہے۔ جیسا کہ بہت سی قبروں کا یہی حال ہم دیکھ رہے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

«وَقُولُ التَّبَّيْنِ ﷺ: الَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ "الْحَدِيثَ" دَلِيلًا عَلَى أَنَّ الْقُبُوْرَ قَدْ تَجْعَلُ أَوْثَانًا وَهُوَ خَافٌ مِنْ ذَلِكَ فَدَعَا اللَّهَ أَنَّ لَا يَفْعَلُهُ بَقْبَرٍ وَاسْتَجَابَ اللَّهُ دُعَاءَهُ رَغْمًا أَنْفِ الْمُشْرِكِينَ الظَّالِمِينَ الَّذِينَ يُشَبِّهُونَ قَبْرَ غَيْرِهِ بِقَبْرِهِ» (كتاب الرد على الاختناق على هامش "الرد على البكري" ص: ۲۳۴)

"نبی اکرم ﷺ اس بات سے ڈر گئے تھے کہ کہیں میری قبر بھی بت نہ بن جائے اور آپ نے اللہ سے دعا کی کہ میری قبر کے ساتھ ایسا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے گم کر دہ راہ مشرکین کی خواہش کے علی الرغم، جو دوسرے کی قبر کو آپ کی قبر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، آپ کی دعا کو قبول فرمایا۔"

ایک اور مقام پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَهُمْ دَفَنُوهُ ﷺ فِي حُجْرَةِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا خَلَافَ مَا اعْتَادُوهُ مِنَ الدَّفْنِ فِي الصَّخْرَاءِ لِتَلَّا يُصَلَّى أَحَدٌ عِنْدَ قَبْرِهِ وَيَتَّخِذُهُ مَسْجِدًا فَيَتَّخِذَ قَبْرُهُ وَتَنَاهَا (العقود الدرية، ص: ۳۳۸)

"نبی اکرم ﷺ کو خلاف معمول کسی کھلی جگہ میں دفن کرنے کی بجائے حضرت عائشہ رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے (چار دیواری) میں اسی لیے دفن کیا گیا تاکہ کوئی شخص آکر وہاں نماز نہ پڑھے اور اسے مسجد نہ بنالے کہ اس طرح آپ کی قبر بت بن جاتی۔"

⑥ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُشَنَّدُ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّئِسُوْلِ ﷺ وَمَسْجِدِ الْأَقْصِي» (صحیح البخاری، فضل الصلاة في مسجد مکہ والمدینہ، ح: ۱۱۸۹)

"تین مسجدوں -- مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ -- کے سوا کسی بھی جگہ کی طرف

(بغرضِ ثواب و تقربِ الٰی) سفرنہ کیا جائے۔"

اس حدیث کی رو سے ان تمام مزارات، مقابر و مشاہد، آستانوں اور درگاؤں کی طرف سفر کرنا منوع ہے جماں لوگ تقرب اور ثواب کی نیت سے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ بتتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں:

«كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقْصُدُونَ مَوَاضِعَ مُعَظَّمَةً بِزَعْمِهِمْ وَيَرْوُزُونَهَا وَيَبْرُكُونَ بِهَا وَفِيهِ مِنَ التَّحْرِيقِ وَالْفَسَادِ مَا لَا يَحْفَى فَسَدَ النَّبِيُّ ﷺ الْفَسَادَ لِنَلَا يَلْتَحِقُ غَيْرُ الشَّعَائِرِ بِالشَّعَائِرِ وَلِنَلَا يَصِيرَ ذَرِيعَةً لِعِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ وَالْحَقُّ عِنْدِي أَنَّ الْقَبْرَ وَمَحَلَّ عِبَادَةِ وَلِيٍّ مِنْ أُولِيَاءِ اللَّهِ وَالطُّوْرَ كُلَّ ذَلِكَ سَوَاءٌ فِي النَّهَيِّ» (حجۃ اللہ البالغہ: ۱۹۲/۱)

"یعنی زمانہ جاہلیت کے لوگ ایسے مقالات پر جاتے تھے جو ان کے گمان میں قابل احترام ہوتے تھے، وہ وہاں ان کی تعظیم و زیارت اور حصول برکت کے لیے جاتے۔ اس میں چونکہ غیر اللہ کی عبادت کا دروازہ کھلتا ہے، اس لیے نبی ﷺ نے بگاڑ کی اس جڑ کو (حکماً) بند کر دیا اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر، کسی دل کی عبادت گاہ اور کوہ طور، حکم ممانعت میں سب برابر ہیں (یعنی سب کی طرف تقریبی سفر منوع ہے۔)"

⑦ نبی کریم ﷺ نے کسی ایسی جگہ نذر کا جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا، جماں پہلے غیر اللہ کے نام کے جانور ذبح ہوتے رہے ہوں یا وہاں کوئی میلہ منیا جاتا رہا ہو۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا "میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ جگہ میں اونٹ ذبح کروں گا۔ آپ نے پوچھا، کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ لوگوں نے بتلایا، نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ وہاں ان کی عیدوں میں سے کوئی عید تو نہیں منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے اس کی بھی نفی کی۔ تو آپ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔" (ابوداؤد، الایمان والندور،

ایسی جگہوں پر نذر کے جانور ذبح کرنے سے روکنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ایسی جگہوں کا یا باطل معبودوں کا کوئی تقدس لوگوں کے ذہنوں میں راح نہ ہو، کیونکہ ایسا تقدس بھی شرک کا ذریعہ بنتا ہے۔

⑧ نبی اکرم ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے جن میں اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان برابری کا تصور یا شائਬہ ہو۔ جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُولُوا: مَا شَاءَ اللَّهُ وَشَاءَ فُلَانٌ، وَلِكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ» (سنن ابی داود، الادب، باب (بعد باب لا یقال خشت نفسی)، ح: ۴۹۸۰ وصححه الألباني في تعلیقات المشکوٰة: ۱۳۴۹/۳)

”اس طرح مت کو (وہ ہو گا) جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے، بلکہ یہ کو، جو اللہ چاہے، پھر فلاں چاہے۔“

یعنی ہر کام صرف اللہ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے، اس کی مشیت میں کوئی دوسرا شرک نہیں۔ اس لیے اس کی مشیت میں کسی کو شرک مत کرو۔ (اس میں شرک یا شائبه شرک ہے) البتہ اللہ کی مشیت کے بعد پھر کسی دوسرے کی مشیت کا اظہار کرنا جائز ہے، کیونکہ اس میں شرک کا شائبه نہیں ہے، اس لیے کہ یہ دوسری مشیت، اللہ کی مشیت کے تابع ہے، جبکہ کہ پہلی صورت میں اللہ کی مشیت اور بندے کی مشیت میں برابری پائی جاتی ہے۔ جیسے لوگ لکھتے اور کہتے ہیں: ”اللہ نبی وارث“ یہ شرکیہ کلمہ ہے، کیونکہ اس میں بھی نبی کو اللہ کے ساتھ برابری کی سطح پر ملا دیا ہے۔ حالانکہ اللہ کی میراث کی صراحت تو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

﴿وَإِلَهُ مِيرَاثُ الْأَمَانَةِ وَالْأَرْضِ﴾ (آل عمران: ۱۸۰/۳)

”اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی۔“

کیا مطلب؟ اس کا مطلب ہے آسمان اور زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی اور باقی صرف اللہ رہ جائے گا جو ان سب کا وارث ہے۔ جیسے مرنے والا مر جاتا ہے اور اس کی تمام چیزوں کے وارث وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کی اولاد میں سے یا قریبی رشتہ داروں میں سے باقی

(زندہ) ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے جب ایک شخص کھٹا ہے۔ اللہ وارث ہے۔ تو اس کا مطلب، اللہ کی بقاء اور اس کے دوام کا اطمینان ہے، جو ایک صحیح بات اور صحیح جملہ ہے۔ لیکن جب یہ کھٹا جائے کہ اللہ نبی وارث ہے۔ تو اس میں عقیدے کا فساد شامل ہو جاتا ہے، اس کا مطلب، اللہ کے ساتھ اللہ کے نبی کا بھی دوام اور بقا ہے۔ جو یکسر غلط ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ تو مخلوق ہیں اور آپ موت سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے جا پکھے ہیں۔ اب آپ کو ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرح زندہ اور باقی رہنے والا مانا، شرک ہے۔ بقاء اور دوام صرف اللہ کی صفت ہے، یہ کسی مخلوق کی صفت نہیں ہو سکتی۔

﴿كُلُّ مَنْ عَيَّنَهَا فَإِنْ ۚ وَيَقْنُو وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَلِ وَالْإِكْرَامِ ۚ﴾

(الرحمن ۵۵/۲۶-۲۷)

قرآن کریم کی ان دونوں آیات کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے، بقاء اور دوام صرف اللہ کو حاصل ہے اور اس اعتبار سے ہر چیز کا وارث اور مالک صرف اللہ ہے، اللہ کے سوا کوئی حقیقی وارث اور مالک نہیں۔ سب کی وراثت اور ملکیت عارضی اور فانی ہے، مرنے کے بعد کوئی وارث ہے نہ مالک۔ اللہ کے لیے موت اور فانیں، اسی لیے وہ سب کا وارث اور مالک ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

«عَنْ رَسُولِ اللَّهِ زَكَرَ اللَّهَ زَكَرِ الرَّاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدِ وَالشُّرُوحَ» (سنن أبي داود، الأیمان والتدور، باب فی زیارة النساء القبور،

ح: ۳۲۳۶)

”رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کے اوپر مسجدیں بنانے والوں پر اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔“

نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی اپنی امت کو شرکیہ امور سے بچانے ہی کے لیے ہے۔ عورتوں کا کثرت سے قبروں پر جانا، اسی طرح قبروں پر مسجدیں بنانا اور قبروں پر چراغ جلانا، یہ سارے کام اپنی لوگوں میں رائج ہیں جو مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہیں، اسی لیے وہ

مذکورہ حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے جس میں مذکورہ کاموں کو لعنتی قرار دیا گیا ہے۔ جن کاموں کے مرتبکیں پر اللہ کے رسول لعنت فرمائیں ان کی شناخت و قباحت، محتاج وضاحت نہیں رہتی۔ لیکن اس امت کی ڈھنائی اور بے شرم بھی قابل تجуб ہے کہ وہ مذکورہ تمام کام بڑے فخر سے کرتی ہے۔ فرعوذ باللہ من هذا۔

⑩ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتَّىٰ تَبُرُّزَ وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتَّىٰ تَغِيَّبَ» (صحیح البخاری، بدء

الخلق، باب صفة ایلیس وجنوده، ح: ۳۲۷۲)

”جب سورج کی نکیہ کا کنارہ طلوع ہونے لگے تو نماز چھوڑ دو، یہاں تک کہ وہ ظاہر (بلند) ہو جائے اور جب سورج کی نکیہ کا کنارہ غائب (غروب) ہونے لگے تو نماز چھوڑ دو، یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) غائب ہو جائے۔“

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیوں؟ اس کی وجہ خود نبی ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے:

«فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِّ شَيْطَانٍ» (المصدر السابق، ح: ۳۲۷۳)

”اس لیے کہ وہ (سورج) شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔“

اس کا مطلب شارحین نے یہی بیان کیا ہے کہ جب سورج طلوع ہونے لگتا ہے تو شیطان اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ سورج اس کے منہ کے سامنے سے نکلے اور غروب شمس کے وقت بھی وہ ایسا ہی کرتا ہے تاکہ غروب بھی اس کے منہ کے سامنے ہو۔ شیطان ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس لیے کہ ان دونوں اوقات میں سورج کے پچاری سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور جب شیطان ان دونوں اوقات میں اس کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے تو سجدہ بھی اسی شیطان کو ہوتا ہے۔ یوں سورج کے پچاری شیطان کو سجدہ کرتے ہیں۔ (فتح الباری، باب مذکور)

گویا سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے دونوں اوقات، سورج کے پچاریوں کے

اوقاتِ عبادت ہیں، ان اوقات میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے منع فرمادیا، حالانکہ مسلمان تو نماز صرف اللہ کے لیے پڑھتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنے میں سورج کے پچاریوں کے ساتھ مشابہت ہے، اس لیے ان اوقات میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے ہی سے روک دیا گیا۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو شرک سے بچانے کے لیے کتنے دور دور تک بند باندھے گئے ہیں۔ لیکن نام کے مسلمانوں نے مذکورہ تعلیمات وہدیات کا کیا حشر کیا؟ وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مذکورہ تعلیمات کے مقابلے میں فاسد العقیدہ لوگوں کا طرزِ عمل: ① رسول اللہ ﷺ نے اپنی شان میں حد سے زیادہ غلو اور عیسائیوں کی طرح افراط محبت سے روکا۔ لیکن فاسد العقیدہ لوگوں نے ایک تو عیسائیوں کے عقیدے، مسیح ابن اللہ کے مقابلے میں نوؤً من نور اللہ کا عقیدہ گھٹلیا اور اس کے اثبات کے لیے ایک حدیث بھی گھٹلی جو حدیث جابر کے نام سے مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نور میں سے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے عرش و قلم اور کائنات کی ہر چیز پیدا کی (نحو ذالک) حالانکہ کسی حدیث کی کتاب میں یہ حدیث نہیں ہے۔ علاوه ازیں ذیل کے اشعار سے بھی ان کا فساد عقیدہ اور غلو محبت واضح ہے، ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر ملاحظہ فرمائیے!

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہ دوں حبیب خدا خود خدا بن کے آیا ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں خدا ہے، تجھے کیا خبر ہی نہیں مقام اس نبی کا عرش بریں ہے خدا نہ کہے جو، وہ کافر لعین ہے کیا فرق ہے عزیز و حضرت میں اور خدا میں وہ بھی اللہ ہے یارو، یہ بھی اللہ ہے یارو اور یہ غلو صرف نبی کریم ﷺ کے بارے میں نہیں کیا گیا بلکہ اس سے بڑھ کر بست سے فوت شدہ بزرگوں کے بارے میں بھی کیا گیا ہے۔ یہ بھی ملاحظہ ہوں۔ شیخ عبدالقدار جیلانی کے بارے میں کہا گیا۔

اول محی الدین آخر محی الدین ظاہر محی الدین باطن محی الدین
 آنت شافعی آنت کافی فی ممہات الامور آنت حسی آنت ربی آنت لی فعم الوکیل
 یا غوث اعظم بمرخداں عرض میں بدکار دی تدھ باجھ میرا کون ہے لے سار جو بیکار دی
 المدد یا غوث اعظم المدد یا دست گیر تیری نگاہ درکار رہے پیران پیر
 صدر الدین سجادہ نشین ملتان کے بارے میں۔

برائے چشم بینا از مدینہ برسر ملتان بہ شکل صدر الدین خود رحمۃ للعالمین آمد
 خواجہ غلام فرید مٹھن کوٹ کے فرزند نازک کے بارے میں:
 طالب خدا گواہ کہ نازک بہ چشم من عین محمد است کہ عرب شنیدہ
 اور خود خواجہ غلام فرید کے بارے میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میری لاکھ جانیں قربان اس پر جو یثرب سے چاچڑ نشیں بن کے آیا
 چاچڑ و انگ مدینہ دسے کوٹ مٹھن بیت اللہ ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ
 جو مشتاق نظارہ ہو، میرے خواجہ کو آدیکھے عیاں نشانِ خداوی ہے، فقط پردہ ہے انسان کا
 ایک اور صاحب اپنے پیر و مرشد کے بارے میں کہتے ہیں۔

اٹھا پھر درد سینے میں مگر اس کی دوا تم ہو نہ ہوتا ذر قیامت کا تو کہہ دیتا خدا تم ہو
 یہ سب اشعار ہم نے مولانا محمد رفیق خاں پسروی رحلیہ کی کتاب "حیات توحید"
 (مطبوعہ ۱۹۷۰ء) سے نقل کئے ہیں۔

ان اشعار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ غلو جس سے پچھلی قویں گمراہ ہوئیں اور ان
 کے اندر توحید کی جگہ شرک آیا، کیا وہ غلو اس امت کے اندر نہیں آیا اور وہی مشرکانہ
 خیالات و عقائد ان کے اندر بھی پیدا نہیں ہوئے؟

② نبی کریم ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن مذکورہ قسم کے لوگوں نے
 نہ صرف قبروں کو پختہ کیا بلکہ ان پر شاندار عمارتیں اور قبے تعمیر کئے۔

③ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے اور انہیں سجدہ گاہ
 بنانے سے روکا اور ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی۔ لیکن ان لوگوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنانکر

چھوڑا۔ چنانچہ لوگ وہاں سجدے بھی کرتے ہیں، قبروں پر دست بستہ قیام بھی کرتے ہیں، قبروں کا طواف بھی کرتے ہیں، قبر میں مدفن شخص سے امید و استغاثہ بھی کرتے ہیں، خانہ کعبہ کی طرح قبروں کو عرق گلاب سے دھوتے اور اس کی دھونوں کو اکسیر اور مقدس جاتے ہیں، قبروں پر غلاف چڑھاتے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام عبادات ہیں۔

④ قبروں کو عید (یعنی میلے ٹھیلے کی جگہ) بنانے سے نبی ﷺ نے روکا، لیکن لوگ قبروں پر عرس کے نام سے سالانہ میلے لگاتے ہیں، جہاں شرک و بدعت کی گرم بازاری بھی ہوتی ہے اور حیا باختگی اور فحاشی کی بھی۔

⑤ ان عرسوں پر لوگ دور دراز سے شد رحال کر کے آتے ہیں اور ان میں شرکت کو اجر و ثواب اور تقرب کا باعث سمجھتے ہیں، حالانکہ نبی ﷺ نے مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ بغرض تقرب، شد رحال (سفر اختیار کرنے) سے منع فرمایا ہے۔

⑥ کئی جگہ ان قبروں کا طواف تک کیا جاتا ہے اور کئی جگہ ان قبروں پر احتیاع کو حج کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

⑦ نبی ﷺ نے قبروں پر کتبہ (نام لکھ کر) لگانے سے منع فرمایا ہے، لیکن لوگ ان قبروں پر نہ صرف ناموں کے بڑے بڑے بورڈ لگاتے ہیں بلکہ ان میں ان کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں جو اطراء (بے حد مدت و تعریف) میں آتے ہیں جس کی نبی ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے۔

⑧ ان قبروں پر نذر و نیاز کا بھی ایک وسیع سلسلہ ہوتا ہے اور اس کا مقصد ان فوت شدہ لوگوں کی خوشندی حاصل کرنا اور اپنی حاجات ان سے پوری کروانا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی ایسی عبادت ہے جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔ اسی لیے اللہ کے سوا کسی کے نام کی نذر و نیاز دینا جائز نہیں۔

⑨ ان قبروں پر چراغ جلانے کو بڑی سعادت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ نبی ﷺ نے ایسے

لوگوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

الغرض ان قبروں پر تمام مذکورہ کاموں کے ذریعے سے، جن سے نبی ﷺ نے روکا تھا، لات و منات کا کاروبار فروغ پذیر ہے۔ اقبال نے بچ کہا تھا۔

اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات

مذکورہ امور کو دیکھتے ہوئے کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ امت، شرکیہ عقائد و اعمال سے پاک ہے؟ یا مذکورہ امور مشرکانہ نہیں ہیں؟ آخر ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ دونوں ہی باتیں صحیح نہیں ہیں۔

واقع یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کو شرک سے بچانے کے لیے جو احتیاطی تدابیر بیان فرمائی تھیں اور جو بند تعمیر کئے تھے۔ اس امت نے ان تدابیر کو کوئی اہمیت دی ہے نہ ان بندوں ہی کی حفاظت کی ہے۔ بلکہ ان سب احتیاطی تدابیر کی خلاف ورزی کر کے اور سب حفاظتی بندوں کو توڑ کر نبی ﷺ کی اس پیش گوئی کو پورا کر دیا ہے:

«السَّيِّعُونَ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرَا بِشْبِرٍ وَذِرَاعَ حَتَّى لَوْ سَلَكُوكُمْ
جُحْرَ ضَبَّ لَسَلَكْتُمُوهُ، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللَّهِ! الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى؟
قَالَ التَّبَّيُّنَ عَلَيْهِ فَمَنْ؟» (صحیح البخاری، أحادیث الأنبياء، ما ذکر عن بنی

إسرائیل، ح ۳۴۵۶)

”تم ضرور پچھلے لوگوں کی قدم بقدم پیروی کرو گے، حتیٰ کہ وہ اگر سانڈے کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو گے۔ ہم (صحابہ) نے کہا: اللہ کے رسول! پچھلے لوگوں سے آپ کی مراد، یہود و نصاری ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور کون؟ (یعنی یہود و نصاری ہی مراد ہیں۔)“



ما فوق الاسباب اور ما تحت الاسباب مدد مانگنے کا مطلب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعْنَتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ» (جامع الترمذی)،

صفة القيامة، باب حديث جنحظة، ح: ۵۲۱۶)

”جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کرو اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔“

یعنی انسان کو جب ایسی کسی چیز کی حاجت ہو جو ظاہری اسباب سے پوری ہونے والی نہ ہو یا اس کی دسترس میں نہ ہو تو انسان وہ چیز صرف اللہ سے مانگے، اسی سے دعا والجا کرے۔ اس لئے کہ ما فوق الاسباب طریقے سے دعاؤں کا سنبھال والا اور اسباب کے بغیر کسی کی حاجت پوری کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس کے سوا کسی کے اندر یہ قوت و طاقت نہیں ہے۔ اسباب کے ما تحت تو انسان ایک دوسرے کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اس لئے اسباب کی حد تک ان سے سوال کرنا بھی جائز ہے جیسے کسی زندہ انسان سے ایک شخص کوئی چیز مانگے، تو وہ سننے پر بھی اور اس کی حاجت پوری کرنے پر بھی قادر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبُطْرِ وَالثَّقْوَى﴾ (المائدہ: ۲) یہی مدد انبیاء ﷺ نے بھی اللہ کے بندوں سے مانگی، جیسے حضرت عیسیٰ ﷺ نے فرمایا: ﴿مَنْ أَنْصَارِنِي إِلَى اللَّهِ﴾ ”اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے میں کون میری مدد کرنے والا ہے؟“ حواریوں نے کہا، ﴿نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ (آل عمران: ۵۲) ”ہم اللہ کے مددگار ہیں“ (یعنی اللہ کی طرف بلانے میں آپ کی مدد کرنے والے ہیں) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مدد بھی آتا ہے کہ دس سالہ کی دور میں جب کہ تبلیغ اسلام میں قدم قدم پر رکاوٹیں اور مخالفین تھیں، حج کے موسم میں آپ مختلف قبائل عرب پر اسلام پیش کرتے اور ان سے اپنی قوم (قریش) سے بچاؤ کے لئے مدد بھی طلب فرماتے اور یہ استدعاء کرتے کہ کوئی

ایسا ہے جو مجھے پناہ دے اور میری مدد کرے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں؟ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں:

«مَكَثَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الْأَكْبَارُ عَشَرَ سِينِينَ يَبْعَثُ النَّاسَ إِلَيْهِ مَنَازِلَهُمْ بِعُكَاظٍ وَمَجَّنَةً فِي الْمَوَاسِيمِ بِمِنَى يَقُولُ مَنْ يُؤْوِيَنِي، مَنْ يُشْرُنِي حَتَّى أُبْلِغَ رِسَالَةَ رَبِّي وَلَهُ الْجَنَّةُ» (الفتح الربانی: ۲۶۹/۲۰)

”رسول اللہ ﷺ کے دس سالہ دور قیام میں موسم حج میں، بمقام منی لوگوں کی قیام گاہوں، عکاظ اور مجذہ میں لوگوں کے پیچھے جاتے اور فرماتے: کون ہے جو مجھے جگہ (پناہ) دے؟ کون ہے جو میری مدد کرے؟ تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں، اس کے بدله اس کے لئے جنت ہے۔“

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ اسی طرح فرماتے تھے، ”کون ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے جائے کیونکہ قریش مجھے اس بات سے روکتے ہیں کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں؟ تو ہداناں قبلیے کا ایک شخص آپ کے پاس آیا، آپ نے اس سے پوچھا، «هلْ عَنْ ذَقْوَمِكَ مِنْ مَنْعَةٍ» کیا تیری قوم کے اندر حفاظت و نگرانی کرنے والے لوگ ہیں؟ (الفتح الربانی: ۲۶۷/۲۰) بیعت عقبہ ثانیہ، جس میں ۷۲ آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، اس بیعت میں دیگر باتوں کے ساتھ ایک عمد یہ تھا:

«وَعَلَى أَنْ تَصْرُفَنِي فَتَمْتَعُونِي إِذَا قَدِمْتُ عَلَيْكُمْ مَا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَأَرْوَاحَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ» (الفتح الربانی: ۲۷۰/۲۰)

”اور یہ کہ جب میں تمارے پاس آؤں گا تم میری مدد کرو گے اور میری طرف سے اسی طرح مدافعت کرو گے، جیسے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنے بیٹوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہو۔“

اس تفصیل سے مقصد اس پلوکی وضاحت کرنا ہے کہ انبیاء ﷺ سمیت تمام انسان ظاہری اسباب کی حد تک ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر زندگی گزارہی نہیں سکتے۔ اس لئے اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے سوال کرنا، ایک

دوسرے سے مدد مانگنا اور چیز ہے اور ماورائے اسباب طریقے سے سوال کرنا اور مدد مانگنا اور چیز ہے۔

پہلی صورت نہ صرف جائز ہے بلکہ ناگزیر ہے، جب کہ دوسری صورت صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ کوئی انسان بھی ماورائے اسباب طریقے سے نہ کسی کی بات سن سکتا ہے اور نہ مدد کر سکتا ہے۔ یہ صفات صرف اللہ کے اندر ہیں، اللہ کے سوا کوئی ان صفات کا حامل نہیں، حدیث مذکور الصدر میں پہلی صورت کا نہیں، بلکہ دوسری صورت کا ذکر ہے۔ یعنی ماورائے اسباب طریقے سے سوال کرنا ہو تو صرف اللہ سے کرو، مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ سے مانگو، کیونکہ دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد وہی سن سکتا ہے اور وہی ہر ایک کی مدد کر سکتا ہے، فوت شدہ افراد کسی کی فریاد سن سکتے ہیں نہ مدد کر سکتے ہیں۔



لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَامْطَلْبٍ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی و مفہوم پر گزشتہ صفحات میں قدرے تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ ذیل کے مضمون میں بھی اسی نکتے پر بحث ہے، لیکن یہ کئی سال قبل کا تحریر کردہ ہے اور مختصر ہے۔ اس لیے تکرار کے باوجود قد مکر کے طور پر اسے بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، یعنی اللَّهُ کے سوا کوئی معبد نہیں۔ کلمہ توحید ہے، اس میں توحید الوہیت کا اقرار ہے، جس کا انکار ہر دور کے مشرکین کا شیوه رہا ہے۔ مشرکین یہ تو مانتے آئے ہیں اور مشرکین مکہ بھی مانتے تھے کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا، سب کو روزی عطا کرنے والا ہے۔ کائنات کی تنظیم و تدبیر کرنے والا وہی رب ہے جو آسمانوں میں ہے۔ اسے توحید ربویت کہتے ہیں، اس توحید ربویت کو سب تسلیم کرتے ہیں، لیکن توحید الوہیت سے وہ انکار کرتے تھے، حالانکہ توحید الوہیت، توحید ربویت کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے، جب آسمان و زمین کا خالق، مالک، سب کا رازق اور کائنات کا مدرس صرف ایک اللہ ہے، اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، تو پھر عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ایک ہے، اس میں دوسرا کی شرکت کو وہ کیوں نکر برداشت کر سکتا ہے؟ لیکن مشرکین توحید الوہیت کو نہیں مانتے۔ وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

عبادت کے معنی ہیں، کسی صاحب قدرت ہستی کے سامنے انتہائی تزلیل اور عاجزی کا اظہار کرنا، اس کی مختلف صورتیں ہیں، اس کی بارگاہ اقدس میں سربہ وجود ہونا، اس کے سامنے تعظیماً کھڑا ہونا، اس کے لئے رکوع کرنا، اس کے لئے طواف کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا، اس سے مافق الاصاب طریقے سے امیدیں وابستہ کرنا اور ڈرنا، اس کے لئے نماز پڑھنا، روزے رکھنا، اس سے دعائیں اور التجاء کرنا۔ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں اور کلمہ توحید کے اقرار کا تقاضا یہ ہے کہ ان

میں سے کوئی کام بھی اللہ کے سوا کسی کے لئے نہ کیا جائے، ورنہ عبادت میں شرک لازم آئے گا۔

بدقتی سے بہت سے پیدائشی مسلمان، جنہیں دین کا صحیح شعور اور توحید کے حقیقی مفہوم کا علم نہیں، وہ صرف سجدہ کرنے کو شرک سمجھتے ہیں، اس لئے وہ غیر اللہ کو سجدہ تو نہیں کرتے (اور بعض جاہل تو سجدہ بھی کر لیتے ہیں) لیکن دوسرے سارے کام وہ غیر اللہ کے لئے کر لیتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں ہم مشرک کس طرح ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ وہ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں، بزرگوں کی خوشنودی کے لئے جانور بھی ذبح کرتے ہیں اور دیگر بھی تقسیم کرتے ہیں، ان کی قبروں کے گرد طواف بھی کرتے ہیں، عاجزی و ذلت کے اظہار کے لئے ان کی قبروں پر تظییماً صاف بستہ کھڑے بھی ہوتے ہیں۔ ان سے دعائیں اور التجائیں بھی کرتے ہیں، ان سے امیدیں بھی وابستہ کرتے اور ڈرتے بھی ہیں، قبروں میں مدفون بزرگوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر انہیں مدد کے لئے پکارتے بھی ہیں، انہیں نافع، ضار اور عالم الغیب بھی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام عبادات ہیں اور یہ نام نہاد مسلمان انہیں غیر اللہ کے لئے بجالا کر شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، زبان سے تو پڑھتا ہے لیکن اس کے مفہوم سے قطعاً نآشنا ہے، اس لئے وہ مشرکین مکہ کی طرح توحید روہیت کو تو تسلیم کرتا ہے، لیکن توحید الوہیت کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو توحید روہیت کے ماننے کے باوجود انہیں مشرک قرار دیا۔ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ وہ توحید الوہیت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ بنابریں توحید الوہیت کو ماننا نہایت ضروری ہے جو کلمہ توحید لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں بیان کی گئی ہے۔ اس کے بغیر توحید روہیت پر اعتقاد کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ صرف اس سے توحید کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔

اس کلمہ توحید کی یہی اہمیت ہے جس کی وجہ سے اسے سب سے زیادہ فضیلت والا ذکر قرار دیا گیا ہے۔ اس کی مثل کوئی اور کلمہ نہیں، یہی کفر و اسلام اور شرک و توحید کے

درمیان فرق کرنے والا ہے، یہی کلمہ انسانوں کو اللہ سے جوڑنے والا اور غیروں سے توڑنے والا ہے۔ یہی انسان کے نفس کا سب سے بہتر تر کیہ کرنے والا اور اس کے باطن کی صفائی کرنے والا ہے اور یہی سب سے زیادہ خبث نفس سے پاک کرنے والا اور دل کو شیطان کی آماجگاہ بننے سے بچانے والا ہے۔ کاش مسلمان اس کلمہ توحید و اخلاص کی حقیقت و اہمیت کو سمجھ سکیں اور اپنے عقیدہ و عمل کو اس کے مطابق کر سکیں۔



TRUEMASLAK @ INBOX.COM

باب : چہارم

استدلالات اور ان کا جائزہ

﴿إِنَّا نَعْبُدُ﴾ میں إیاک (مفہول) کے مقدم کرنے میں جو حصر کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے، اس سے جمال اس بات کا اثبات ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کسی عبادت جائز نہیں۔ وہاں دوسروں کی عبادت کی نفی بھی ہوتی ہے۔ یوں گویا کلمہ شادوت «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» کے معنی کا تتحقق ہو جاتا ہے۔ اس کلمے میں بھی اثبات اور نفی دونوں چیزیں موجود ہیں۔ اللہ کی عبادت کا اثبات اور غیر اللہ کی نفی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکثر مقالات پر ان دونوں باتوں کو ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کے آغاز میں فرمایا:

﴿أَعْبُدُ وَأَرْبَكُمْ﴾ (البقرة/۲۱)

”اپنے رب کی عبادت کرو۔“

تو اس کے ساتھ ہی فرمایا:

﴿فَلَا يَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا﴾ (البقرة/۲۲)

”تم اللہ کے شریک نہ ٹھراو۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْبَأْنَاهُمْ أَنَّهُمْ يَعْبُدُونَ أَنَّهُمْ وَالْجَنَّبُونَ

الظَّلَفُوتُ﴾ (التحلیل/۱۶)

”ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جس نے یہ پیغام دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔“ ---

”اللہ کی عبادت کرو۔“ میں اثبات ہے اور ”طاغوت سے بچو“ میں غیر اللہ کی نفی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فَمَنِ يَكْفُرُ بِالظَّلْعَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدِ أَسْتَمْسَكَ بِالْعِرْفَةِ الْوُثْقَى﴾ (البقرة/٢٥٦)

”جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا، اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔“
اس میں بھی طاغوت کا انکار کرنا، نفی ہے اور اللہ پر ایمان لانا، اثبات ہے۔ اس طرح اور
بھی متعدد مقامات پر یہی بات بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اثبات
توحید کے ساتھ معبودان باطلہ کی نفی اور ان کی تردید بھی نہایت ضروری ہے۔

اسی لئے گزشتہ صفحات میں ہم نے بعض مغالطوں کی وضاحت بھی کی ہے، تاہم ضروری
ہے کہ اس مقام پر ان دیگر دلائل کا بھی جائزہ پیش کیا جائے جو بعض حلقوں کی طرف سے
مشرکانہ عقائد و اعمال کے جواز و اثبات میں پیش کئے جاتے ہیں۔

علاوه ازیں شرکیہ عقیدے اور شرکیہ اعمال و مظاہر، اسلامی ممالک میں عام ہیں اور علماء
و مشائخ کے ایک بہت بڑے طبقے کے دینی مفادات چونکہ ان سے وابستہ ہیں، اس لئے
علماء کا یہ طبقہ کسی نہ کسی طریقے سے ان کو سندر جواز دینے پر خلا رہتا ہے اور اس کے لئے
وہ عجیب عجیب دلائل اور بے سروپا روایات و حکایات سے استدلال کرتا ہے اس لئے
ضروری ہے کہ ان دلائل کی حقیقت واضح کی جائے تاکہ توحید کے اس مسئلے میں، جس کو
قرآن کریم نے نہایت شرح و سط سے بیان کیا ہے اور اسے تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد وحید
 بتلایا ہے، کوئی ابہام یا اشکال باقی نہ رہے۔

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيْتَنَا وَيَحْيَى مَنْ حَيَ عَنْ بَيْتَنَا﴾

(الأنفال/٨)

”تاکہ جو مرے بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے، وہ بھی بصیرت پر
(یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے۔“

① کیا بزرگانِ دین کو مدد کے لئے پکارنا شرک نہیں ہے؟

ایک دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کو فاعلِ حقیقی تسلیم کرتے ہوئے بزرگانِ دین کو وسیلہ امداد اور مظہرِ اعانتِ الہی قرار دیتے ہوئے ان سے استغاثہ کرنا اور ان کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے۔ یہ پکارنا شرک نہیں ہے البتہ ان کی عبادت و پرستش کرنا شرک ہے۔“ بلاشبہ مطلقاً پکارنا شرک نہیں ہے، ”هم اپنے بچے کو پکار کر بلاستے ہیں، کسی دوست کو آواز دیتے ہیں اور کسی کو زور سے ندادیتے ہیں۔ یہ شرک نہیں ہے اور نہ یہ پکارنا مابہ النزاع ہے۔ مابہ النزاع پکارنا (جو شرک کی ایک صورت ہے) وہ ہے جو لوگ مردہ (قبروں میں مدفون) لوگوں کو مافق الاسباب طریق سے پکارتے ہیں۔ جیسے: یا شیخ عبد القادر! شیئ اللہ‘ یا رسول اللہ: آغثنا، یا علی مدد وغیرہ۔ یہ پکارنا شرک ہی کے ذیل میں آتا ہے کیوں کہ پکارنے والا ان کی بابت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود یہ فوت شدہ بزرگ میری آواز کو سنتا ہے، میرے حالات سے باخبر ہے۔ وہ حاضر و ناظر ہے اور کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے اسی لئے یہ شخص اس بزرگ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے نام کی نذر دیتا ہے۔ اس کے نام پر جانور قربان کرتا ہے، اس کی قبر پر غلاف چڑھاتا ہے اور اس کی ناراضی سے ڈرتا ہے۔ اس کا اعتقاد ہوتا ہے کہ اگر میں نے گیارہویں نہ دی (یعنی اس بزرگ کے نام کی نیاز نہ دی) تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے، میرے کاروبار کو نقصان پہنچائیں گے۔ حالانکہ عالم الغیب، نافع و ضار، حاضر و ناظر اور متصرف فی الامور، صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ تمام صفاتِ اللہ کے لئے خاص ہیں، جن میں اس کا کوئی شریک نہیں لیکن یا علی مدد، یا شیخ عبد القادر! شیئ اللہ وغیرہ پکارنے والا یہ تمام صفاتِ خداوندی اس مردہ بزرگ میں تسلیم کرتا ہے اور اس بزرگ کو ان الوہی صفات میں شریک مانتا ہے۔

اس عقیدے کے ساتھ کسی بھی مردہ شخص کو پکارنا، یہی اس کی عبادت و پرستش ہے۔ اسی کو قرآن نے 『یَدْعُونَ』 کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی سب کے نزدیک

”عبادت و پوجا“ کرنے کے ہیں۔ یہ حضرات، عوام کو باور کرتے ہیں کہ ہم تو بزرگوں کو صرف پکارتے ہیں، ان کی عبادت و پرستش نہیں کرتے حالانکہ اس طرح مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو پکارنا، یہی اس کی عبادت ہے۔ اسی لئے دعا ”پکارنا“ بھی بلا اختلاف عبادت ہی سمجھی جاتی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ» (جامع الترمذی، الدعوات، باب منه "الدعاء من العبادة")

ح: ۳۳۷۲

”پکارنا (دعا کرنا) عبادت ہی ہے۔“

بلکہ دوسری حدیث میں فرمایا:

«الدُّعَاءُ مُنْخَلِّي الْعِبَادَةِ» (جامع الترمذی، الدعوات، باب منه "الدعاء من العبادة")

ح: ۳۳۷۱

”دعا (پکارنا) عبادت کا مغز ہے۔“

اور قرآن کریم نے بھی دعا کو عبادت ہی کہا ہے، فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ أَذْعُونَنَا أَسْتَجِبْ لَكُوْنَ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِنِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَائِرِينَ﴾ (المؤمن: ۶۰ / ۴۰)

”اور تمہارے رب نے فرمایا: ”مجھے پکارو! میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا، بلاشبہ جو لوگ میری عبادت (یعنی مجھے پکارنے اور مجھ سے دعائیں کرنے) سے انکار کرتے ہیں، عنقریب وہ جنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے۔“

یہاں 『یَسْتَكْبِرُونَ عَنْ دَعْوَتِنِي』 کی جگہ اللہ تعالیٰ نے 『عِبَادَتِنِي』 کے الفاظ استعمال فرمائے اور قرآن مجید کا یہ سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو پکارنا اور حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر اس سے دعا کرنا اس کی عبادت ہی ہے اس لئے مفرودہ بزرگوں کو مدد کے لئے پکارنا اور ان سے استغاثہ کرنا اور یا شیخ عبد القادر! شیئاً للہ، یا علی مدد وغیرہ کہنا ان کی عبادت و پرستش ہی ہے۔ قیامت کے دن یہ بزرگ اپنی اس عبادت و پرستش کا بالکل انکار کر دیں گے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ مولاۓ کریم

ہم تو ان کی عبادت اور پوجا سے جو یہ (ذعا و استغاثہ کی صورت میں) ہماری کرتے تھے، بالکل بے خر تھے:

﴿إِنَّكُمْ عَنِ عِبَادَةِ قَوْمٍ لَفَدَّلَيْتَ﴾ (يونس / ۲۹)

یہاں بھی فوت شدہ بزرگوں سے ذعا کو ان کی عبادت ہی کہا گیا ہے جس سے وہ روز قیامت انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تو ان کی عبادت (ذعا و پکار) کا کوئی علم ہی نہیں۔ بہرحال کسی شخص کو حاجت روایہ اور مشکل کشا سمجھ کر ما فوق الاسباب طریق سے اسے پکارنا، اس سے استمداد کرنا اور اس سے دعائیں کرنا یہ اس کی عبادت ہی ہے۔ اسے اگر مگر اور چونکہ چنانچہ سے جائز قرار دینا مغالطہ انگیزی ہے۔

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

② صحابہ و تابعین نے کسی بھی فوت شدہ کو کبھی نہیں پکارا

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ:

”صحابہ کرام ﷺ سے لے کر اب تک مسلمانوں کا اس پر اجماع و اتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مuthor حقیقی و فاعل حقیقی ہونے کا اعتقاد کرتے ہوئے فوت شدہ بزرگان دین کو بطور وسیلہ پکارنا، ان سے استغاثہ کرنا اور ان کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے۔“

یہ دعویٰ ”صحابہ کرام ﷺ اور امت مسلمہ پر بہت بڑا افترا اور بہتان عظیم ہے (سبحانکَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ)۔ اس دعوے کے اثبات میں صحابہ کرام کے دور کی کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی، تابعین و تبع تابعین کا کوئی عمل پیش نہیں کیا جاسکتا، حتیٰ کہ امام ابو حنیفہ کا کوئی قول یا فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کسی کتب کا حوالہ نہیں دیا جاسکتا جب ایسا ہے تو اس پر اجماع و اتفاق کا دعویٰ کیسا؟

امر واقع یہ ہے کہ صحابہ کرام ﷺ، انہمہ نظام ﷺ اور فقہاء احناف میں سے کسی نے بھی کسی مردہ کو امداد کے لئے نہیں پکارا اور کبھی ان سے استغاثہ نہیں کیا کیونکہ ان کا عقیدہ یہی تھا کہ مرنے کے بعد کوئی مردہ کسی کی فریاد نہیں سن سکتا جس کی صراحۃ قرآن

نے کی ہے:

﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (الفاطر / ۲۵) (۲۲)

”اے پیغمبر! تو قبروں والوں کو کوئی بات نہیں سنا سکتا۔“

③ فوت شدگان سے استغاثہ کرنا اور ان کا وسیلہ کپڑنا جائز نہیں

اس کے دلائل میں سے: صحیح بخاری میں ہے:

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابَ كَانَ إِذَا قُحِطُوا
إِسْتَسْفَى بِالْعَبَاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ
إِلَيْكَ بِنِيَّتِنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمَّ نِيَّتَا فَاسْقِنَا قَالَ:
فَيُسْقَوْنَ» (صحیح البخاری الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا
قحطوا، ح: ۱۰۱۰)

”حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے دور میں جب بھی قحط
سالی ہوتی تو حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عباس بن مالک سے بارش کی دعا کرواتے اور فرماتے:
”اے اللہ! پسلے ہم تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے (جب وہ زندہ ہم میں موجود تھے) بارش کے
لئے دعا کرواتے تو تو ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب فرماتا۔ اب (جبکہ نبی ﷺ ہم میں
موجود نہیں ہیں) تیرے نبی کے پچاکو ہم تیری بارگاہ میں بطور وسیلہ (یعنی دعا کے لئے)
پیش کر کے دعا کر رہے ہیں۔ یا اللہ! اس دعا کو قبول فرماء ہم پر بارش کا نزول فرماء۔
(راوی کہتا ہے کہ) اس پر بارش ہو جاتی۔“

اور فتح الباری میں حضرت عباس بن مالک کی دعا کے یہ الفاظ منقول ہیں:

«اللَّهُمَّ إِنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بِلَاءً إِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ يُكْشَفْ إِلَّا بِتَوْبَةٍ وَقَدْ
ثَوَّجَهَ الْقَوْمُ بَيْنَ إِلَيْكَ لِمَكَانِي مِنْ نِيَّكَ وَهُنْدِهِ أَيَّدِيَنَا إِلَيْكَ
بِالدُّنْوِبِ وَنَوَاصِيَنَا إِلَيْكَ بِالْتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ»
”یا اللہ! بلاؤں کا نزول گناہوں کی وجہ سے ہی ہوتا ہے اور توبہ کے ذریعہ سے وہ دور ہو۔

جاتی ہیں۔ یا اللہ! تیرے نبی کے ساتھ مجھ کو قریبی تعلق اور نسبت کی وجہ سے جو عزت و مقام حاصل ہے۔ اس کے پیش نظر انہوں نے مجھے تیری بارگاہ میں ذریعہ بنایا ہے (یعنی دعا کے لئے لائے ہیں) یا اللہ! یہ گناہ آلو دھاٹھ تیری طرف پھیلے ہوئے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے تیری طرف بھکی ہوئی ہیں، یا اللہ ہم پر بارش باز فرم۔“

روایت کے الفاظ ہیں:

فَأَرْخَتِ السَّمَاءُ مِثْلَ الْجِبَالِ حَتَّىٰ أَخْصَبَتِ الْأَرْضُ وَعَاشَ النَّاسُ» (فتح الباری، باب مذکور: ۶۴۱/۲)

”اس دعا کے بعد آسمان نے پہاڑوں جیسے دھانے کھول دیئے۔ زمین خوب شاداب ہو گئی اور لوگوں میں زندگی کی امداد و رُغبی۔“

اس واقعے سے صحابہ کرام ﷺ کا طرز عمل واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے کسی مردہ شخص سے دعا نہیں کرائی حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ نہیں کیا۔ انہیں مدد کے لئے نہیں پکارا اور ان کا واسطہ دے کر دعا نہیں مانگی بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بجائے آپ کے پیچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ استغاثاء کی دعا اور نماز مجمع عام میں ہوتی ہے تو گویا صحابہ کرام ﷺ کا عام فعل یہی رہا قرار پایا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ تک سے دعا کرنی جائز نہیں تو آپ سے زیادہ صاحب فضیلت کون ہے کہ جس سے آب دعا کرائی جائے؟

صحابہ کرام ﷺ کے دور کا ایک اور واقعہ ہے، جسے ملا علی قاری حنفی نے مرقاۃ شرح مکملۃ میں دسویں صدی ہجری کے شافعی فقیہ ابن حجر کی تصنی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

”قالَ ابْنُ حَجَرٍ: وَاسْتَسْقَى مُعَاوِيَةَ بْنَ يَرِينَدَ بْنِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَسْقِي بِخَيْرِنَا وَأَفْضَلِنَا اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَسْقِي بِيَرِينَدَ بْنِ الْأَسْوَدِ يَا يَرِينَدُ: إِرْفَعْ يَدِكَ إِلَى اللَّهِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيهِمْ فَثَارَتْ سَحَابَةُ مَنْ الْمَغْرِبِ كَانُهَا تَرْسَنْ وَهَبَّتْ رِيْحٌ فَسُقُوا حَتَّىٰ كَادَ النَّاسُ لَا يَلْعُغُونَ مَنَازِلَهُمْ“ (مرقاۃ: ۲۸۸/۲ طبع قدیم)

”ابن حجر (کی) کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی شوشٹ نے یزید بن اسود بن ابی شوشٹ کو ساتھ لے کر بارش کیلئے ڈعا کرائی اور فرمایا: ”اے اللہ! ہم میں جو بہتر اور افضل ہے اس کے ذریعے سے ہم تیری بارگاہ میں بارش کی ڈعا کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم یزید بن اسود بن ابی شوشٹ کو ساتھ لائے ہیں اور استقاء کر رہے ہیں۔ (پھر معاویہ بن ابی شوشٹ نے کہا) اے یزید! بارگاہ اللہ میں ڈعا کیلئے ہاتھ اٹھائیے انہوں نے ڈعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے پس مغرب کی طرف سے ڈھال کی طرح ایک گھٹاً ٹھٹی اور ہوا چلی اور ان کیلئے بارش کا اس طرح نزول ہوا کہ قریب تھا کہ لوگ اپنے گھروں کو نہ پہنچ سکیں۔“

اس واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رض کا عمل، زندہ سے ڈعا کرنے کا تو تھا لیکن فوت شدہ سے ڈعا کرانے کا ان کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عباس بن ابی شوشٹ سے بارش کے لئے ڈعا کرانے کی حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں:

”ازیں جا ثابت شد کہ تو شل بہ گز مشکان و غائبان جائز نہ داشت و گرنہ عباس بن ابی شوشٹ از سرور عالم بہتر نہ بود چنانہ گفت کہ تو شل می کردیم بہ پیغمبر تو والحال تو سل کنیم بہ روح پیغمبر تو۔“ (البلاغ المبین: ۱۲، طبع لاہور) یعنی ”اس واقعے سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رض گزرے ہوئے (فوت شد گان) اور غائب لوگوں کو وسیلہ پکڑنا جائز نہیں سمجھتے تھے ورنہ حضرت عباس بن ابی شوشٹ رسول اللہ ﷺ سے بہتر نہ تھے (اگر فوت شدہ سے ڈعا کرنا جائز ہوتا تو انہوں نے کیوں نہ کہا کہ یا اللہ! پسلے ہم تیرے نبی کے ساتھ وسیلہ پکڑتے تھے، اب ہم تیرے نبی کی روح کے ساتھ وسیلہ پکڑتے ہیں۔“

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ: یہ تو واقعات ہوئے عہد صحابہ و تابعین کے، اب خاص امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس کو شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد رشید مولانا محمد بشیر الدین قتوی (متوفی: ۱۹۹۶ھ) نے فقہ کی ایک کتاب ”غائب فی تحقیق المذاہب“ کے حوالہ سے لکھا ہے:

”رَأَى الْإِمَامُ أَبُو حَنِيفَةَ مَنْ يَأْتِيَ الْقُبُوْرَ لِأَهْلِ الصَّلَاحِ فَيُسَلِّمُ وَيُخَاطِبُ وَيَتَكَلَّمُ وَيَقُولُ: يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ هَلْ لَكُمْ مِنْ خَبَرٍ وَهَلْ

عِنْدَكُمْ مَنْ أَثْرَ إِنِّي أَتَسْأَلُكُمْ مَنْ شَهُورٌ وَلَنِسَ سُوَالِي إِلَّا الدُّعَاءَ
فَهَلْ دَرَسْتُمْ أَمْ غَفَلْتُمْ فَسَمِعَ أَبُونَحِينِيَّةَ بِقَوْلٍ يُخَاطِبُهُ بِهِمْ فَقَالَ:
هَلْ أَجَابُوا لَكَ؟ قَالَ لَهُ: سُحْقًا لَكَ وَتَرَبَتْ يَدَاكَ
كَيْفَ تَكَلَّمُ أَجْسَادًا لَا يَسْتَطِيْعُونَ جَوَابًا وَلَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا
يَسْمَعُونَ صَوْتًا وَقَرَأَ ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾

(تفہیم المسائل مولانا محمد بشیر الدین قتوی)

”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آگر ان سے کہہ رہا تھا: ”اے قبروں والو! کیا تمہیں خبر بھی ہے اور کیا تمہارے پاس کچھ اثر بھی ہے؟ میں تمہارے پاس کئی میمنوں سے آرہا ہوں اور تمہیں پکار رہا ہوں، تم سے میرا سوال بجز دعا کرنے کے اور کچھ نہیں۔ تم میرے حال کو جانتے ہو یا میرے حال سے بے خبر ہو؟“ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سن کر اس سے پوچھا: ”کیا (ان قبروں والوں نے) تیری بات کا جواب دیا؟“ وہ کہنے لگا: ”نہیں!“ تو آپ نے فرمایا: ”تجھ پر پھٹکار ہو، تیرے ہاتھ خاک آلوہ ہوں، تو ایسے (مردہ) جسموں سے بات کرتا ہے جو نہ جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں، نہ کسی چیز کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کی آواز (فرياد) سن سکتے ہیں، پھر امام صاحب نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾ (الفاطر ۲۲/۳۵)

”(اے پیغمبر!) تو ان کو نہیں سن سکتا جو قبروں میں ہیں۔“

علامہ آلوی بغدادی رضی اللہ عنہ کی وضاحت: علامہ آلوی حنفی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

مولانا محمد اسحاق دہلوی کی کتاب ”ماۃ سائل“ کے رو میں ایک کتاب ”صحیح المسائل“ نامی مولوی فضل رسول بدایوی نے لکھی تھی اس کا جواب مولانا محمد بشیر الدین قتوی نے تفہیم المسائل کے نام سے دیا تھا۔ خوب مدل کتاب ہے پہلے ۱۸۷۵ھ میں پہلی وفعہ مطبع ”دار حسن“ شاجمان آباد میں طبع ہوئی پھر دوسری وفعہ محمدی پرنس لاہور میں چھپی۔ تاریخ طبع معلوم نہیں۔

«إِنَّ الْإِسْتِغْاثَةَ بِمَحْلُوقٍ وَجَعْلَهُ وَسِيلَةً بِمَعْنَى طَلْبِ الدُّعَاءِ مِنْهُ لَا شَكَ فِي جَوَازِهِ إِنْ كَانَ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ حَيَا... وَأَمَّا إِذَا كَانَ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ مَيِّتاً أَوْ غَائِباً فَلَا يَسْتَرِيبُ عَالِمٌ أَنَّهُ غَيْرُ جَائزٍ وَأَنَّهُ مِنَ الْبَدْعِ الَّتِي لَمْ يَقْعُلْهَا أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ»

(تفسیر روح المعانی ۲/۲۹۷، طبع قدیم ۱۳۰۰ھ)

”کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ اس کے حق میں دعا کرے اس کے جواز میں کوئی شک نہیں بشرطیکہ جس سے وہ درخواست کی جائے وہ زندہ ہو..... لیکن اگر وہ شخص جس سے درخواست کی جائے مژده ہو یا عاتب تو ایسے استغاثے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں اور مردوں سے استغاثہ ان بدعتات میں سے ہے جن کو سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ، تابعین، ائمہ کرام اور تمام اسلاف صالحین رضی اللہ عنہم زندہ نیک لوگوں سے تو دعا کرنے کے قائل تھے لیکن کسی مژده کو انسوں نے مدد کے لئے نہیں پکارا اور ان سے استغاثہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے اسکے استغاثہ نہیں کیا۔ اب آپ کے بعد کوئی ہستی ایسی ہے جو آپ سے زیادہ فضیلت رکھتی ہو کہ اسے مدد کے لئے پکارا جائے اور اس سے استغاثات کی جائے۔ ﴿فَهَلْ مِنْ مُذَكَّرٌ؟﴾

ویلے کی جائز صورتیں : اس تفصیل سے واضح ہے کہ ویلے کی کئی صورتیں ہیں۔ بعض جائز ہیں اور بعض منوع۔ ویلے کی جائز صورتیں حسب ذیل ہیں۔

① کسی زندہ نیک آدمی سے دعا کی درخواست کی جائے۔ جیسے حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی۔

② اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ویلے یعنی ان کے حوالے سے دعا کی جائے جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿وَقُلْ رَبِّيْ أَغْفِرْ وَأَرْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاهِمِينَ ﴾ ۱۱۸ (المؤمنون ۲۳) ﴿

”اور آپ کہنے اے رب! تو معاف کر دے اور رحم فرمًا، اور تو سب رحم کرنے والوں

سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔“

یہاں اللہ سے رحم کرنے کی دعا کی جا رہی ہے اس کی صفت خیر الاممین کے حوالے سے۔ اسی طرح یا اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ کا حوالہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس سے رزق کی دعا اس کی صفت رزاق اور خیر الراذقین کے حوالے سے اور دیگر دعائیں ان کے حسب حال دیگر اسمائے حنفی کے حوالے سے کی جائیں۔

③ اپنی تکلیف، اپنی تقصیر اور فقر و حاجت کا اظہار کر کے اس سے دعا کی جائے۔ اس صورت میں گویا انسان اپنی بے چارگی و بے کسی اور اپنی عاجزی و درماندگی کا وسیله یعنی حوالہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے حوالے سے دعا فرمائی۔

﴿أَنِّي مَسَنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الْرَّحِيمِ﴾ (الأنبياء / ٢١) (AT)

”بے شک مجھے تکلیف (بیماری) پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

اور جیسے زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لیے دعا فرمائی تو اس میں ظاہری اسباب کے مطابق اپنی بے چارگی اور بے بھی کا اس طرح اظہار فرمایا:

﴿رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظُمُ مِنِّي وَأَشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْئًا وَلَمْ أَكُنْ يُذْعَلُكَ

رَبِّ شَقِيقًا﴾ (مریم / ٤١) (AT)

”اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر برداھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن اے میرے رب! میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا ہو۔“

حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہوئے یوں دعا فرمائی:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (AT)

(الأنبياء / ٢٨)

”تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ہی قصور وار ہوں۔“

④ نیک اعمال کے وسیلے یعنی حوالے سے دعا کی جائے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًّا يُنَادِي لِلإِيمَانِ أَنَّمَا إِيمَانُكُمْ فَقَامَنَا رَبَّنَا فَأَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَتْرَابَ ﴾ (۱۱)

(آل عمران / ۳)

”اے ہمارے رب! ہم نے ایک آواز دینے والے کو سنایا ایمان قبول کرنے کی آواز لگا رہا تھا، پس ہم (اس کی پکار پر) ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس (اس ایمان کی بدولت) تو ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ فوت کرنا۔“

یا جیسے حدیث میں سابقہ امتوں میں سے تین اشخاص کا واقعہ آتا ہے جنہوں نے بارش آنے پر غار میں پناہ لی تو غار کا منہ بند ہو گیا اور وہ تینوں غار میں پھنس گئے۔ وہاں ان تینوں نے اپنا اپنا خالص عمل، جو انہوں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا تھا، اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا اور اس کے وسیلے اور حوالے سے اللہ سے دعا کی۔ اللہ نے ان کی دعاوں کو قبول فرمایا کہ غار کے دھانے سے اس چٹان کو سرکار دیا جس نے غار کا منہ بند کر دیا تھا اور وہ سب اس سے باہر نکل آئے۔ (صحیح بخاری، احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار، حدیث: ۳۳۶۵)

قرآن مجید میں دو مقام پر ”الوسیله“ کا لفظ آیا ہے، دونوں جگہ وسیلے سے مراد یہی ذریعہ، قرب اللہ یعنی اعمال صالحہ ہیں۔ یہ دو مقام حسب ذیل ہیں:

﴿ يَتَأَيَّهَا الَّذِينَ مَآمِنُوا أَتَقْوَى اللَّهَ وَأَبْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ﴾

(المائدۃ: ۳۵ / ۵)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرنا اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔“

یعنی اعمال صالحہ کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

﴿ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَيْهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ﴾ (الاسراء: ۵۷ / ۱۷)

”وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں، وہ تو اپنے رب کی طرف وسیلہ (ذریعہ قرب) تلاش

کرتے ہیں کہ کون ان میں سے (اللہ کے) زیادہ قریب ہے۔ اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ ”

زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ فرشتوں کی پوچھا کرتے تھے اور کچھ لوگ جنات کی۔ اللہ نے فرمایا، یہ تو خود اللہ کا قرب تلاش کرنے کی فکر میں رہتے اور اس کی رحمت کی آس لگائے رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ جب یہ خود ایسے ہیں، تو یہ معبد کس طرح بن سکتے ہیں؟

قرآن مجید کے ان دونوں مقلات کے سیاق سے واضح ہے کہ وسیلے سے مراد اعمال صالح ہیں۔ ایک میں اللہ تعالیٰ انہیں اختیار کرنے کی تلقین فرماء رہا ہے اور دوسرے میں اللہ والوں کی صفت یہ بتلائی جا رہی ہے کہ وہ اعمال صالحہ بجا لاس کر اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

ناجائز اور منوع وسیلہ: اس کی صورت یہ ہے کہ کسی مخلوق کے واسطے اور وسیلے سے دعا کی جائے۔ مثلًا: ”یا اللہ! فلاں کے صدقے ہمارا فلاں کام کر دے۔ یا، فلاں کے حق یا جاه و مرتبت کے واسطے ہماری دعا قبول فرم۔“

یہ وسیلہ اس لیے ناجائز ہے کہ یہ طریقہ نبی ﷺ کا بتلایا ہوا ہے نہ صحابہ کرام ؓ کا اختیار فرمودہ ہے۔ یہ گویا بدیعی طریقہ ہے، علاوه ازیں یہ شرک کا ذریعہ بنتا ہے۔ لوگ جن کو اللہ کے ہاں معزز و مقرب سمجھ کر ان کے واسطے اور صدقے سے دعائیں مانگتے ہیں، شریعت اور توحید کے تقاضوں سے ناآشنا عوام پھر انہی بزرگوں کو متصرف الامور سمجھ لیتے ہیں اور ان سے بھی اسی طرح استدرا و استغاثہ کرنے لگ جاتے ہیں جیسے اللہ سے کیا جاتا ہے۔ یا ان کی قبروں پر جا کر نذر و نیاز چڑھانے یا وہاں جا کر دیکھیں تقسیم کرنے کو حاجت بر آنے کے لیے اکسیر سمجھا جاتا ہے۔ آخرالذکر یہ دونوں صورتیں شرک صریح کی ذیل میں آ جاتی ہیں۔ اس لیے مذکورہ بدیعی طریقے سے دعا کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے۔ جیسا کہ واقعتاً ایک حلقة میں اس طرح کا شرک عام ہے اور اگر کوئی سمجھتا ہے کہ میرے لیے اس میں شرک کا کوئی اندریش نہیں ہے تب بھی اس طریقے کے بدیعی ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ مسنون طریقہ چھوڑ کر بدیعی طریقہ اختیار کرنا بھی ایک

مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ اس لیے دعا، هرف اللہ کے اسمائے حسنی یا اعمال صالحہ ہی کے حوالے سے کی جائے یا کسی نیک زندہ شخص سے دعا کروائی جائے۔

حدیث الاعمی سے استدلال اور اس کا جواب : بحق فلاں یا به جاه فلاں دعا کرنے والے حضرت حدیث میں بیان کردہ ایک واقعے سے استدلال کرتے ہیں، ہم مناسب صحیح ہیں کہ اس پر بھی کچھ گفتگو ہو جائے۔ یہ واقعہ حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

ایک نایبنا شخص، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اذْعُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِنِي "آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت عطا فرمادے۔" نبی ﷺ نے اس سے فرمایا:

«إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ»

"اگر تو چاہے تو دعا کروتے ہوں اور اگر تو چاہے تو صبر کر لے" تیرے لیے یہ زیادہ بہتر ہے۔"

اس نے کہا: آپ اللہ سے دعا ہی فرمادیں۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضور کر کے آئے اور ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے۔

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَيْكَ مُحَمَّدَ بْنَيِّ الرَّحْمَةِ، إِنِّي تَوَجَّهُ إِلَيْكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتَقْضِي لِيَ اللَّهُمَّ فَشَفِعْهُ فِيَ» (جامع الترمذی، الدعوات، باب ۱۱۸ (بعد باب فی دعاء الصيف)، ح: ۳۵۷۸)

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد پیغمبر رحمت (کی دعا) کو متوجہ کرتا ہوں۔ بے شک میں آپ (نبی ﷺ) کو اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں سفارشی بناتا ہوں، تاکہ میری حاجت پوری کر دی جائے۔ اے اللہ! پس تو آپ کی میرے بارے میں سفارش (دعا) کو قبول فرمی۔"

یہاں شفاعت (سفارش) بمعنی دعا ہے، سیاق سے یہ معنی واضح ہے۔ گویا اس میں زندہ بزرگ کی شفاعت یا دعا کو بطور وسیله اختیار کیا گیا ہے، یعنی نیک آدمی سے دعا کروانا۔ اور یہ وسیلے کی ایک جائز صورت ہے، کیونکہ یہ صورت بھی دراصل اعمال صالحہ کے ذریعے سے دعا کرنے میں شامل ہے۔ انسان کسی نیک آدمی سے دعا کی درخواست کرتا ہے تو اس کی نیکی کی بنیاد اعمال صالحہ ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ قسم بھی دراصل اعمال صالحہ کے ذریعے سے

دعا کرنے ہی میں شامل ہے۔

اس میں بحق فلاں یا بجه فلاں یا فلاں کے صدقے، والی کوئی بات نہیں ہے، کیونہ اگر ایسا ہوتا تو وہ نبینا آدمی نبی ﷺ کے پاس نہ آتا، بلکہ گھر بیٹھے ہی نبی ﷺ کے صدقے اور واسطے، یا آپ کے حق اور جاہ و مرتبت کے حوالے سے دعا کر لیتا۔ اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ آپ سے دعا کی درخواست کے لیے آپ کے پاس آیا۔ یعنی آپ کی دعا کے ساتھ توسل کیا، نہ کہ آپ کے ذات یا آپ کے جاہ کے ساتھ۔

نبی ﷺ نے بھی اسے یہ نہیں کہا کہ بحق یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی، تو گھر بیٹھے ہی میرے صدقے یا میرے حق کے حوالے سے دعا کر لیتا۔ اس کی بجائے آپ نے اسے وضور کر کے (اور سنن ابن ماجہ کی روایت کے مطابق، پھر دو رکعت ادا کر کے) مذکورہ طریقے سے دعا کرنے کا حکم دیا اور وضور کر کے دو رکعت ادا کرنا، عمل صالح ہی ہے، اس عمل صالح کے بعد اللہ سے دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔ علاوه ازیں نبینا نے بھی آپ سے دعا کے لیے اصرار کیا، جس پر آپ نے بھی وعدے کے مطابق اس کی عافیت کے لیے دعا فرمائی۔

اس اعتبار سے اس واقعے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اس نبینا آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آکر دعا کی درخواست کی اور پھر اس نے خود نبی ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق پہلے اپنے لیے دعا کی۔ پھر اس دعا میں اس نے اپنے متعلق آپ کی دعا اور سفارش کے قبول کرنے کی بھی بارگاہ الٰہی میں التجاکی۔ اس لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ آتوجہَ إِلَيْكَ بَتَّيْكَ میں مضاف مذوف ہے۔ یعنی آتوجہَ إِلَيْكَ بِدُعَاءِ بَتَّيْكَ "میں تمی طرف تیرے نبی کی دعا پیش کرتا (یا اس کی دعا کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوتا) ہوں۔"

اس واقعے اور حدیث سے قطعاً اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ مخلوق کی ذات یا اس کے حق اور جاہ و مرتبت کے ویلے سے دعا کی جائے یا انہیں غائبانہ مدد کے لیے پکار جائے۔ اس حدیث سے صرف زندہ نیک آدمی سے دعا کروانے کا علاوه ازیں وہ جو دعا کسی کے لیے کرے، اس کی قبولیت کی التجاء کرنے کا اثبات ہوتا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

۲) صنم پرست مشرکین بھی فاعلِ حقیقی اللہ ہی کو مانتے تھے

بعض لوگ کہتے ہیں ”اللہ تعالیٰ کو فاعلِ حقیقی مانتے ہوئے کسی کو مدد کے لئے پکارا جائے تو یہ شرک نہیں۔“ اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ دنیا میں شرک کا وجود بکھی رہا ہی نہیں ہے اور قرآن کریم میں (نحوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے خواہ مخواہ لوگوں کو مشرک قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ بار بار یہ بات بیان کی گئی ہے کہ عرب کے مشرکین جو دعوتِ توحید کے مخاطب اقل تھے، وہ یہ مانتے تھے کہ زمین و آسمان اور کائنات کا خالق و مالک اور پروردگار صرف اللہ ہے اور وہی واحد ہستی ہے جس کے ہاتھ میں کائنات کی تدبیر اور تصریف ہے لیکن اس کے باوجود قرآن نے ان عربوں کو مشرک کیا۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مانتے کے باوجود وہ مشرک کیوں قرار پائے؟ یہی وہ نکتہ ہے جس پر غور کرنے سے شرک کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مشرکین عرب نے اللہ کے سوا جن ہستیوں کو معبدوں اور دیوتامان رکھا تھا وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اس کا مملوک اور بندہ ہی جانتے تھے لیکن اس کے ساتھ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ چونکہ یہ لوگ اپنے اپنے وقوف میں اللہ کے نیک بندے اور اس کے چیزیتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہل انہیں خاص مقام حاصل تھا اس بباء پر وہ بھی کچھ اختیارات اپنے پاس رکھتے ہیں۔ ہم ان کی عبادت (پوجا) اس لئے نہیں کرتے کہ یہ خدائی اختیارات کے حامل ہیں، ہم تو ان کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور بطور وسیلہ اور سفارش ان کو پکارتے ہیں اور ان سے استغاثہ کرتے ہیں۔ خود قرآن کریم میں مشرکین کے یہ اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ سورہ یونس میں فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُونَكَ مِنْ دُوْبَتِ اللَّهِ مَا لَا يَضْرُبُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَتُؤْلَئِكَ شُفَعَةُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ (یونس: ۱۸/۱۰)

”اور (وہ مشرکین عرب) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع۔ اور کہتے (یہ) ہیں کہ یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ أَخْذُوا مِنْ دُونِهِ أَولِيَّكُمْ مَا نَعْبُدُ هُنَّ إِلَّا لِيُقْرِبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَج﴾ (الزمر ۳۹)

”جن لوگوں نے اللہ کے سوا اپنے حمایتی پکڑ کرے ہیں (ان کا کہنا ہے) کہ ہم تو ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب پہنچا دیں۔“

اور صحیح احادیث میں آتا ہے کہ مشرکین عرب حج میں یہ تلبیہ پڑھا کرتے تھے: «لَبَيِّكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكٌ كَاهُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ» (صحیح

مسلم، الحج، باب التلیۃ وصفتها ووقتها، ح: ۱۱۸۵)

”اے اللہ! ہم تیرے حضور حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، سوائے اس شریک کے جو تمرا ہی ہے تو اس کا مالک ہے اور جن پر اس کی ملکیت اور حکومت ہے ان کا مالک بھی تو ہی ہے۔“

قوم نوح کے پانچ بنت بھی دراصل اللہ کے نیک بندوں ہی کے نام تھے

اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صراحت موجود ہے کہ قوم نوح کے وہ پانچ بنت جن کا ذکر قرآن مجید (سورہ نوح) میں کیا گیا ہے۔ جن کی وہ عبادت و پرستش کرتے تھے اللہ کے نیک بندوں کے بت تھے:

«أَسْمَاءُ رَجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمٍ نُوحٍ فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَيْهِمْ أَنِ اتَّصِبُو إِلَيْيَ مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَسَمَوْهَا بِأَسْمَاءِهِمْ فَفَعَلُوا فَلَمْ تَعْبُدْ حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولُئِكَ وَتَسَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ» (صحیح البخاری، التفسیر، تفسیر سورہ نوح، ح: ۴۹۲۰)

”یعنی“ قوم نوح کے پانچ بنت دراصل قوم نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے جب وہ مرجگئے تو شیطان نے ان کے ارادت مندوں سے کہا کہ (ان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے) ان کے مجسمے بن کر اپنی بیٹھکوں میں رکھ لو۔ اور ان کو ان کے ناموں ہی سے موسم

کرو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن ان کی عبادت نہ کی گئی حتیٰ کہ جب یہ (مجسمے بنانے والے) فوت ہو گئے تو ان کے بعد کی نسل نے لاعلمی اور جمالت کی بناء پر ان تصویریوں اور مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔"

بہرحال قرآن و حدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مشرکین عرب کا شرک بھی یہی تھا کہ انہوں نے اللہ کے نیک بندوں کو ان کی وفات کے بعد اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا، ان کے نام کی نذریں اور نیازیں دیں اور ان کے آستانوں پر سلاں میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا، ورنہ فاعلِ حقیقی وہ بھی اللہ کو مانتے تھے اور جب زیادہ مشکلات میں گھرتے تو پھر وہ ان بتوں کو چھوڑ کر فاعلِ حقیقی اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، جس کی شادت خود قرآن مجید نے دی ہے۔ مثلاً: سمندر میں جہاں کوئی ظاہری مادی سارا انہیں نظر نہ آتا تو وہاں صرف اللہ رب العالمین کو پوکارتے اور اپنے خود ساختہ بزرگوں اور معبدوں کو چھوڑ دیتے:

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفَلَكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الْدِينَ﴾ (العنکبوت ۲۹/۶۵)
”جب یہ مشرکین (دریائی سفر میں) کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو (خطرے کے وقت) خالص اعتقاد کرتے ہوئے اللہ ہی کو پوکارتے ہیں۔“

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَإِذَا مَسَكْمُ الظُّرُفُ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ نَدَعُونَ إِلَآ إِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل ۱۷/۶۷)
”جب تم دریا میں (طوفان وغیرہ کی) مصیبت میں گھر جاتے ہو تو تمہارے وہ دیوتا جن کو تم پوکارا کرتے ہو، غائب اور گم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت تم بس اللہ ہی کو پوکارتے ہو۔“

بے خبر مسلمانوں کا شرک بزرگانِ دین کی تصریحات

بالکل یہی شرک ان مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جو قبر پرست ہیں اور جن کی وکالت ان کے علماء فرماتے ہیں۔ زرا بتلایا جائے کہ مشرکین عرب اور موجودہ قبر پرست مسلمانوں کے شرک میں کیا فرق ہے؟ اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو ان اکابر علماء کی تصریحات ملاحظہ

فرماییں جن کو وہ بھی قابل اعتماد گردانتے ہیں، ان حنفی علماء اور بزرگوں نے بھی وضاحت کی ہے کہ مسلمان جاہل عوام قبروں کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں وہ صریحاً مشرکانہ اعمال واعتقادات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ : چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں : ”جو حیوانات را کہ نذر مشائخ می کنند و بر سر قبر ہائے ایشان رفتہ آں حیوانات ذبح می نہایند و روایات قصیہ ایں عمل رانیز داخل شرک ساختہ اندو دریں باب مبالغہ نمودہ ایں ذبح را از جس زبانِ جن انگاشتہ اند کہ منوع شرعی است و داخل دائرہ شرک“ (مکتوب امام ربانی - دفتر سوم، مکتوب: ۲۳) ”اور یہ لوگ بزرگوں کے لئے جو حیوانات (مرغوں، بکروں وغیرہ) کی نذر مانتے ہیں اور پھر ان کی قبروں پر لے جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں تو فقیہ روایات میں اس فعل کو بھی شرک میں داخل کیا گیا ہے اور فقیاء نے اس باب میں پوری سختی سے کام لیا ہے اور ان قربانیوں کو جنوں (دیوتاؤں اور دیویوں) کی قربانی کے قبیل سے ٹھہرایا ہے جو شرعاً منوع اور داخل شرک ہے۔“

اسی مکتوب میں آگے چل کر وہ اُن جاہل مسلمان عورتوں کے بارے میں لکھتے ہیں جو پیروں اور بیسمیلوں کو راضی کرنے کی نیت سے ان کے نام کے روزے رکھتی ہیں اور ان روزوں کے تسلی سے ان پیروں اور بیسمیلوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ وہ ہماری حاجتیں پوری کریں گے۔ ان کے بارے میں حضرت مجدد فرماتے ہیں: ایں شرکت در عبادت است“ کہ ”ان جاہل عورتوں کا یہ عمل شرک فی العبادت ہے۔“

حضرت شاہ ولی اللہ : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”اگر در تصویر حال مشرکین و اعمال ایشان توقف داری احوالی محترفان اہل زمانہ خصوصاً آنال کہ بے اطراف دار الاسلام سکونت دارند ملاحظہ کن کم..... بے قبور و آستانہ ای روند و انواع شرک بے عمل می آرند۔“ (الفوز الکبیر فی اصول القیری: ۱۱)

”اگر عرب کے مشرکین کے احوال و اعمال کا صحیح تصور تمہارے لیے مشکل ہو اور اس میں کچھ توقف ہو تو اپنے زمانے کے پیشہ ور عوام خصوصاً وہ جو دار الاسلام کے اطراف میں

رہتے ہیں ان کا حال دیکھ لو، وہ قبروں، آستانوں اور درگاؤں پر جاتے ہیں اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔“

اور ”مُجْتَهِي اللّٰهِ الْبَالِغُ“ میں شرک کی مختلف شکلیں بیان کر کے لکھتے ہیں:

”وَهُذَا مَرَضٌ جُمْهُورٌ إِلَيْهِ وُدٌ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمُشْرِكِينَ وَبَعْضِ
الْغُلَاظِ مِنْ مُنَافِقِي دِيْنِ مُحَمَّدٍ يَوْمَنَا هُذَا“ (حجۃ اللہ البالغة، باب فی
حقیقت الشرک، ص: ۶۱)

”اور شرک کی یہ وہ بیکاری ہے جس میں یہود، نصاریٰ اور مشرکین بالعموم اور ہمارے
اس زمانے میں مسلمانوں میں سے بعض غالی منافقین بتلا ہیں۔“

شah عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ : شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سورہ مزمل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ شان صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے کہ جو اس کو جب اور جہاں سے یاد کرے، اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہو جائے اور یہ شان بھی اسی کی ہے کہ وہ اس بندے کی قوت مدرک میں آجائے جس کو شریعت کی خاص زبان میں ڈال، تدلی اور قرب و نزول کما جاتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: ”ایس ہر دو صفتِ خاصہ ذاتِ پاک اور تعالیٰ است یعنی مخلوق را حاصل نیست آرے بعض کفرہ در حق بعضے از معبدوں خود و بعضے پیر پرستان از زمرة مسلمین در حق پیران خود امر اقل را ثابت می کنند و در وقت اعتیاج بہ ہمیں اعتقاد آئنا استعانت می نہیں۔“ (تفسیر عزیزی پارہ تبارک الذی، سورہ مزمل، صفحہ: ۱۸)

”اور یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا خاصہ ہیں، یہ کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں۔ ہاں بعض کفار اپنے بعض معبدوں اور دیوتاؤں کے بارے میں، اور مسلمانوں میں سے بعض پیر پرست اپنے پیروں کے بارے میں ان میں سے پہلی چیز ثابت کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کے وقت اسی اعتقاد کی بناء پر ان سے مدد چاہتے ہیں اور مدد کیلئے ان کو پکارتے ہیں۔“

اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں ہندوستان کے ہندوؤں کے شرک کا حال یوں بیان کر کے آخر میں فرماتے ہیں: ”ہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازان و مجاہران قبور و جلالیان و مداریان۔“ (فتاویٰ عزیزی: ۱/۳۲، طبع مجتبائی دہلی)

”یہی حال ہے بہت سے مسلمان فرقوں کا مثلاً تعزیہ بنانے والوں، قبروں کے مجاوروں، جلالیوں اور مداریوں کا۔“

اور اسی فتاویٰ میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ”در باب استعانت به ارواح طیبہ دریں امت افراط بسیار بہ وقوع آمدہ آنچہ جمال و عوام ایس ہائی کند و ایشان را در ہر عمل مستقل و انتہ اند بلاشبہ شرک جلی است۔“ (حوالہ مذکورہ: ۱۲۱)

”ارواح طیبہ (نیک لوگوں کی روحوں) سے استعانت (مدد طلب کرنے) کے معاملے میں اس امت کے جمال و عوام جو کچھ کرتے ہیں اور ہر کام میں بزرگان دین کو مستقل اختار سمجھتے ہیں۔ یہ بلاشبہ شرک جلی ہے۔“ (خلاصہ)

اسی طرح اور بھی کئی بزرگوں نے اس کی صراحتیں کی ہیں کہ قبرپست مسلمانوں کے اعمال و عقائد صریحاً مشرکانہ ہیں۔

فقہ حنفی کی صراحت (قبروں پر کیے جانے والے کام حرام ہیں): یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ تمام قبرپست اپنے آپ کو فقہ حنفی کا پیر و کار کرتے ہیں حالانکہ فقہ حنفی میں بھی ان امور کو جن کا ارتکاب قبرپست کرتے ہیں، حرام و باطل اور کفر و شرک بتایا گیا ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”ذر مختار“ میں ہے:

”وَاعْلَمْ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقْعُدُ لِلأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالرَّبَتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِحِ الْأُولَائِ الْكَرَامِ تَقْرِيبًا إِلَيْهِمْ فَهُوَ بِالإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَّحَرَامٌ“ (الدر المختار: ۴۳۹/۲)

”علوم ہونا چاہیے کہ اکثر عوام، مفردوں کے نام پر جو نذریں اور نیازیں دیتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مالی نذرانے پیش کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر چراغ اور تیل جلاتے ہیں، وغیرہ۔ یہ سب چیزیں بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔“

ذر مختار کی مشہور شرح رد المحتار (المعروف فتاویٰ شافعی) میں اس کی شرح یوں کی گئی ہے:

”قَوْلُهُ بَاطِلٌ وَّحَرَامٌ لَوْجُونَهُ مُتَهَاهَا أَلَّهُ نَذْرٌ لَمَخْلُوقٍ وَالنَّذْرُ

لِلْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِمَخْلُوقٍ وَمِنْهَا أَنَّ الْمَنْدُورَ لَهُ مَيْتٌ وَالْمَيْتُ لَا يَمْلِكُ وَمِنْهَا أَنَّهُ ظَنٌّ أَنَّ الْمَيْتَ يَصْرَفُ فِي الْأُمُورِ دُونَ اللَّهِ تَعَالَى وَاعْتِقَادُهُ ذُلِّكَ كُفْرٌ»
 (رد المحتار: ۴۳۹/۲)

”اس نذر لغیر اللہ کے باطل اور حرام ہونے کے کئی وجہوں ہیں جن میں سے یہ ہے کہ ○ یہ قبروں کے چڑھاوے وغیرہ مخلوق کے نام کی نذریں ہیں اور مخلوق کے نام کی نذر جائز ہی نہیں اس لیے کہ یہ (نذر بھی) عبادت ہے اور عبادت کسی مخلوق کی جائز نہیں۔ ○ اور ایک وجہ یہ ہے کہ مَنْدُورُهُ (جس کے نام کی نذر دی جاتی ہے) مردہ ہے اور مردہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ ○ اور ایک وجہ یہ ہے کہ نذر دینے والا شخص مردوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں حالانکہ ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے۔“

فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ : اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے پانچ سو حنفی علماء نے مرتب کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ:

«وَالنَّذْرُ الَّذِي يَقَعُ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِ بَأَنْ يَأْتِي إِلَى قَبْرِ بَعْضِ الْصُّلَحَاءِ وَيَرْفَعُ سُرْتَهُ قَائِلًا: يَا سَيِّدِي فَلَانُ! إِنْ قَضَيْتَ حَاجَتِي فَلَكَ مِنِّي مِنَ الذَّهَبِ مَثَلًا كَذَا بَاطِلٌ إِجْمَاعًا»

”اکثر عوام میں یہ رواج ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی قبر پر جا کر نذر مانتے ہیں کہ اے فلاں بزرگ! اگر میری حاجت پوری ہو گئی تو اتنا سونا (یا کوئی اور چیز) تہماری قبر پر چڑھاؤں گا۔ یہ نذر بالاجماع باطل ہے۔“

پھر لکھا ہے:

«فَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَتَحْوِهَا وَيُنْقَلُ إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلَيَاءِ الْكِرَامِ تَقْرِبًا إِلَيْهِمْ فَحَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ» (الفتاویٰ ہندیۃ (المعروف) فتاویٰ عالمگیری: ۲۱۶/۱، باب الاعتكاف، طبع مصر)

”پس جو دنار و درهم یا اور چیزیں اولیاء کرام کی قبروں پر اُن کا قرب حاصل کرنے (اور ان کو راضی کرنے) کے لئے لی جاتی ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں۔“

اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنا کفر ہے : مُردوں سے استغاثہ و استعانت کرنے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ میرے حال سے واقف ہے اور وہ عالم الغیب ہے کیون کہ اس عقیدے کے بغیر ہزاروں میل کے فاصلے سے کسی مردہ بزرگ کو پکارنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔

اور اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنے والے کی بھی فقہ حنفی میں تکفیر کی گئی ہے۔
چنانچہ ملا علی قاری حنفی شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں :

«ثُمَّ أَعْلَمُ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْمَغْيِبَاتِ مِنَ الْأَشْيَاءِ إِلَّا مَا عَلِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى أَحْيَانًا وَذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيْحًا بِالْتَّكْفِيرِ بِاعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى ۝ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۝ كَذَا فِي الْمَسَائِرَةِ»

(شرح فقہ اکبر، ص: ۱۸۲، طبع مجتبائی)

”علوم ہونا چاہیئے کہ انبیاء ﷺ غیب کی صرف انہی باتوں کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ وقاً فوقاً ان کو بتلادے اور فتحاً حنفی نے اس عقیدے کو کہ ”رسول اللہ ﷺ کو علم غیب تھا“ صراحتاً کفر قرار دیا ہے کیون کہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۝ کَذَا فِي الْمَسَائِرَةِ﴾ کے معارض (مخالف) ہے۔ کی بات (شیخ ابن الحمام نے) مسائِرہ میں ذکر کی ہے۔“

فقہ حنفی کی ایک اور مشہور کتاب فتاویٰ قاضی خان میں ہے :

”رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِغَيْرِ شُهُودٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ خَدَائِرَ رَا وَيَغَامِرَ رَا گواہ کر دیم

”قالُوا: يَكُونُ كُفُرًا لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِينَ كَانَ فِي الْأَحْيَاءِ فَكَيْفَ بَعْدَ

المَوْتِ» (فتاویٰ قاضی خان علی حاشیہ فتاویٰ عالمگیری: ۵۷۶/۳: طبع بولاق

۱۳۱۰ھ فتاویٰ بزاریہ ص: ۳۲۵، علی رحاشیہ فتاویٰ عالمگیری: ۳۲۵/۶:

”کسی آدمی نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا۔ البتہ مرد و عورت نے یہ کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ بناتے ہیں، فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا کفر ہے اس لیے کہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ اپنی زندگی میں عالم الغیب نہ تھے، دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ عالم الغیب کیوں کر ہو سکتے ہیں؟“

اور فتاویٰ بزاریہ میں ہے:

”وَقَالَ عُلَمَاءُ مَا مَنْ قَالَ أَنَّ أَرْوَاحَ الْمَشَايِخِ حَاضِرَةً تَعْلَمُ يُكَفَّرُ“

(فتاویٰ مولانا عبدالحی: ۳۴/۲: بحوالہ فتاویٰ بزاریہ ص: ۳۳۶، علی حاشیہ فتاویٰ

عالمگیری: ۶)

”ہمارے (حنفی) علماء نے کہا کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہوتی ہیں اور غیب جانتی ہیں وہ کافر ہے۔“

اسی طرح فقہ حنفی میں، ”قبروں کا طواف“، ”قبروں کا چومنا“، ان کی تعظیم کے لئے جھکنا اور وہاں دست بستہ قیام وغیرہ یہ تمام چیزیں ناجائز اور حرام لکھی ہیں اور قبروں پر سجدے کو کفر تک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فوت شدہ بزرگوں سے استغاثے کے قائل اور ان کے وکیل و حمایتی اس آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کر فیصلہ کر لیں کہ خود فقہ حنفی ان کی بابت کیا فیصلہ صادر کرتی ہے۔ ہم یہاں رسول اللہ ﷺ کے وہ فرمودات نقل نہیں کر رہے جن میں یہود و نصاریٰ کو اسی لئے ملعون قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے نیک لوگوں اور نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (صحیح مسلم) اس لئے کہ اس کی تفصیل ایک مستقل عنوان کی مقاصی ہے۔

شیخ عبد القادر! شیئنا اللہ کیوں ناجائز ہے: اس تفصیل سے واضح ہے کہ یا علی مدد، یا رَسُولَ اللَّهِ مَدْدٌ، آغشُنی یا رَسُولَ اللَّهِ اور یا شیخ عبد القادر! شیئنا اللہ وغیرہ جیسے الفاظ اور

و ظیفوں سے فوت شدگان سے استغاثہ (مد طلب کرنا) حرام، ناجائز اور مشرکانہ فعل ہے کیوں کہ ایسا کرنے والے کا عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ جس کو وہ مدد کے لئے پکار رہا ہے وہ اس کی فریاد سننے پر قادر ہے، وہ عالم الغیب ہے اور وہ کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے حالانکہ یہ تمام صفات، اللہ تعالیٰ کی ہیں جو صرف اس کے ساتھ خاص ہیں۔ اسی لئے فتنہ حنفی میں اس امر کو شرک و کفر سے تعبیر کیا گیا ہے اور حنفی بزرگوں نے اسی بنا پر یا شیخ عبد القادر شیخ اللہ کو ناجائز، کفر اور شرک لکھا ہے۔

چنانچہ قاضی شاء اللہ حنفی پانی پتی فرماتے ہیں: ”آنچہ جمال می گویند یا شیخ عبد القادر جیلانی شیخ اللہ“ یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیخ اللہ جائز نیست، شرک و کفر است۔“ (ارشاد الطالبین: ص: ۱۸)

اور مولانا عبدالحی حنفی لکھنؤی لکھتے ہیں کہ اس وظیفے سے احتراز لازم و واجب ہے بعض فقماء نے اس پر کفر تک کا اطلاق کیا ہے۔ نیزاں وظیفے کے پڑھنے والے کے دل میں یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ بزرگ، عالم الغیب اور صاحب اختیار ہے اور یہ عقیدہ شرک ہے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:

”ازیں چنیں وظیفہ احتراز لازم و واجب۔ اولاً ازیں جنت کہ ایں وظیفہ متصفین شیخ اللہ است و بعض فقہاء ازما ہچھو لفظ حکم کفر کردہ اندھنائکہ ذر ذر محترمی نویسنده «کذا قول شنی اللہ قیل یکفر۔ انتہی۔۔۔ مانیا ازیں جنت کہ ایں وظیفہ متصفین است نداء اموات را از اکمه، بعيدہ ندارا بشوند۔ البتہ سامع اموات سلام زائر قبر را ثابت است بلکہ اعتقاد ایں کہ کے غیر حق سمجھانے، حاضروناظرو عالم حنفی و جلی درہ وقت دہر آن است اعتقاد شرک۔ درفاوی برازیہ می نویسنده «تَرَوْجِ بِلَا شَهُودٍ وَ قَالَ» خدائے و رسول خدا و فرشتمان را گواہ کرده ام ((يُكَفَّرُ لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ الرَّسُولَ وَالْمَلَكَ يَعْلَمُانِ الْغَيْبَ وَقَالَ عَلَمَا وُنَا مِنْ قَالَ أَنَّ أَرْوَاحَ الْمَشَايِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ يُكَفَّرُ)) انتہی و حضرت شیخ عبد القادر اگرچہ ازالیاء امت محمدیہ اندو مناقب و فضائل شان («لا تعدو لا تحصی») اند لیکن چنیں قدرت شان کے فریاد را ازا کمنہ، بعيدہ بشوند و بہ فریاد رسند ثابت نیست و اعتقاد ایں کہ آں جانب ہر وقت

حال مریدانِ خودی دانتند و نداۓ شان می شنوند از عقائد شرک است۔” (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالجی لکھنؤی حنفی، ۳۲/۳)

شah ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”بدانکہ دریں مقام مزلہ الاقدام بسیارے افتادہ اندر شافع مشفوع الیہ فرق نہ کردہ اندی گویند یا شیخ عبد القادر جیلانی شیخ اللہ۔ یعنی ”اے شیخ عبد القادر جیلانی چیزے از برائے خدا بدہ۔ دریں کلام خداۓ تعالیٰ راشق گردانیدہ اندو حضرت شیخ رادہ نہ و حقيقة بالعکس می نماید۔“ (البلاغ المبین، ص: ۱۵۱-۱۳۳، طبع لاہور)

”جاننا چاہئے یہ بست سے لوگوں کے پھسل جانے کا مقام ہے، انہوں نے سفارش کرنے والے اور جس کی طرف سفارش کی جائے۔ ان دونوں میں فرق نہیں سمجھا۔ کہتے ہیں ”یا شیخ عبد القادر جیلانی اللہ کے لئے کچھ دے“ اس کلام میں انہوں نے اللہ کو سفارشی بنایا اور حضرت شیخ کو دینے والا۔ حالانکہ حقیقت اس کے برکس معلوم ہوتی ہے۔“ (ترجمہ: ”البلاغ المبین“ طبع ملتان، ص: ۱۲۲)

اس طرح کی استدرادا (مد طلب کرنے) کو، جو وظیفہ مذکور (شیخا اللہ) میں کی گئی ہے، حضرت شah ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی توبین قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے بعد لکھتے ہیں: ”ازیں جاوريافت شد کہ بواسطہ خدا از مخلوق حاجت خواستن خصوصاً از عالمیان غیب گویا خدارا بے چارا دانستن و مخلوق راتوانا و دانا پنداشتن است۔“ (معاذ اللہ من ذالک) -- (البلاغ المبین فارسی، ص: ۱۵۱)

یعنی ”اس سے ثابت ہوا کہ زندہ و غیر زندہ مخلوق کے پاس اللہ تعالیٰ کو شفیق بنائے کر لانا یا اس کا بواسطہ دے کر مخلوق سے حاجت روائی چاہنا گویا خدا کو عاجز سمجھنا اور مخلوق کو تو انہا تر جاننا ہے (معاذ اللہ من ذالک)“ (ترجمہ اردو، ص: ۱۲۲)

قبیر پرستوں کا شرک صریح..... ایک نمونہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم توفیت شدہ بزرگوں کو صرف بطور ”وسیلہ“ پکارتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ خدائی صفات سے متصف ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ محض تکلف ہے خدائی صفات تسلیم کئے بغیر ان کو مافوق الاسباب طریق سے پکارنے کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔ تاہم اتمام جنت کے طور پر ہم مخاطبین کے مشور رسالے سے ایک نظم پیش کرتے ہیں جس میں شیخ عبدالقدار جیلانی کے اندر تمام خدائی صفات کا اثبات کیا گیا ہے، جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ قبر پرست چاہے تاویلات کے کیسے ہی حسین غلاف پڑھائیں۔ الفاظ کے خوب میانا بازار سجالیں اور کیسے ہی خوش کن عنوانات اختیار کر لیں، لیکن ان کا عقیدہ و عمل صریحاً مشرکانہ ہے۔ لیجے! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر نظم ملاحظہ فرمائیے:

خدا کے فضل سے ہم پر ہے سایہ غوث اعظم کا
ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بغداد والے کے بلا کیں ثال دینا کام کس کا، غوث اعظم کا
جماز تاجر اس گرداب سے فوراً نکل آیا وظیفہ جب انسوں نے پڑھ لیا یا غوث اعظم کا
گئے اک وقت میں ستر مریدوں کے یہاں آقا سمجھ میں آ نہیں سکتا ممہ غوث اعظم کا
شفا پاتے ہیں صد بہا جاں بلب امراض مملک سے عجب دار الشفا ہے آستانہ غوث اعظم کا
بلاد اللہ مکنی تحت حکمی سے یہ ظاہر ہے کہ عالم میں ہر اک شے پر ہے قبضہ غوث اعظم کا
تمکھی نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر تصرف انس و جن سب پر ہے آقا غوث اعظم کا
ہوا موقوف فوراً ہی برنا اہل محفل پر جو پایا اب باراں نے اشارہ غوث اعظم کا
جو حق چاہے وہ یہ چاہیں، ہو یہ چاہیں وہ حق چاہے تو مٹ سکتا ہے پھر کس طرح چاہا غوث اعظم کا
قیمتوں کے دلوں سے دھو دیا ان کے سوالوں کو وہ کہہ کر قم بازن اللہ جلا دیتے تھے مردوں کو فرشتے درسے تک ساتھ پہنچانے کو جاتے تھے
یہ دربار اللہ میں ہے رتبہ غوث اعظم کا لعب اپنا چلایا احمد مختار نے ان کو تو پھر کیسے نہ ہوتا، بول بلا غوث اعظم کا رسول اللہ نے خلعت پہنایا برسر مجلس بچے کیونکرنہ پھر عالم میں ڈنکا غوث اعظم کا ہمارا ظاہر و باطل ہے ان کے آگے آئیت کسی شے سے نہیں عالم میں پرده غوث اعظم کا

(ماہنامہ ”رضائے مصطفیٰ“ گوجرانوالہ، جلد 15 شمارہ 6، مئی 1973ء)

نظم کا ایک ایک شعر ملاحظہ فرمائجئے کہ کس فراغتی سے تمام خدائی صفات کا اثبات ایک فوت شدہ بزرگ کے حق میں کیا گیا ہے۔ (فَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْهَفْوَاتِ)

کیا غائب کو پکارنا شرک نہیں... واقعہ (یَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ) کی حقیقت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غائب کو پکارنا، اگر شرک و بدعت ہوتا تو حضرت فاروق اعظم بن عثیر حضرت ساریہ کو نہ پکارتے جو ایران میں نماوند کے علاقے میں مصروف جہاد تھے۔“ جہاں تک حضرت عمر کے واقعہ (یَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ) کا تعلق ہے، یہ واقعہ اول تو محققین کے نزدیک سندًا صحیح نہیں۔ تاہم بعض علماء اسے سندًا حسن قرار دیتے ہیں، اگر اسے واقعی حسن تسلیم کر لیا جائے، تو روایت ضرور قابل قبول قرار پا جائے گی۔ لیکن پھر بھی یہ واقعہ بطور کرامت ہی ہے جس سے کسی مسئلے کے اثبات کے لئے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ مجذہ اور کرامت یہ انسان کے اختیاری فعل نہیں۔ یہ اللہ کی مشیت کے تحت صادر ہوتے ہیں، اسی لئے کوئی نبی محض اپنے اختیار سے اللہ کی مشیت کے بغیر مجذہ صادر کر کے نہیں دکھا سکتا اور کوئی ولی کسی کرامت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ یہ وجہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں یہ اصول مسلمہ ہے کہ مجذہ اور کرامت سے استدلال جائز نہیں۔

اس لئے (یَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ) کے واقعے سے استدلال بڑا بھیب اور اہل سنت کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔ البتہ حضرت ساریہ کے واقعے میں اگر مزید غور کیا جائے تو اس سے یہ پہلو مزید واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری القرون میں مصیبت کے وقت فوت شدہ یا ناظروں سے غائب بزرگوں کو مدد کے لئے پکارنے کا کوئی تصور نہیں تھا، ورنہ حضرت ساریہ، جو دشمن کے زرعے میں گھر گئے تھے، رسول اللہ ﷺ کو یا حضرت عمر بن عثیر کو مدد کے لئے ضرور پکارتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں کہ اس دور میں اس شرک کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس لشکر کی مدد فرمائی تھی جو نماوند میں حضرت ساریہ کی سرکردگی اور قیادت میں کافروں کے خلاف صفت آراء تھا۔ اس لئے حضرت عمر بن عثیر کی زبان سے یَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ (اے ساریہ پہاڑ کے دامن میں پناہ لو) کے الفاظ نہ صرف

کملوائے بلکہ مجرمانہ طور پر یہ الفاظ سینکڑوں میل کے فاصلے کے باوجود حضرت ساریہ کے؟ کافنوں تک پہنچا دیئے۔

ایک مجھوں الحال آدمی کے خواب سے استدلال

ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قحط واقع ہو گیا۔ ایک صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے پانی مانگنے کیوں کہ وہ ہلاک ہو رہی ہے، تو ایک مرد ان (حضرت بلال بن حارث) کے خواب میں آئے (اور الاستیعاب کے الفاظ یہ ہیں کہ): ”خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور انہیں کو کہ لوگوں کے لئے بارش کی دعا کریں انہیں بارش دی جائے گی اور انہیں کو کہ احتیاط کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔“ وہ صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ماجرا بیان کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) رو دیئے اور کہا: ”یا اللہ (جل جلالک) میں اپنی بساط بھر کوتا ہی نہیں کرتا۔“

یہ واقعہ بلاشبہ حدیث کی ایک کتاب مصنف ابن الی شیبہ (ج: ۱۲، ص: ۲۳) اور (فتح الباری) ۲۹۵/۲، کتاب الاستسقاء باب سوم) میں درج ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی بابت کہا ہے: «روی عن ابن الی شیبہ بأسناد صحيح من روایة ابی صالح السمان عن مالک الداری الخ ”اس روایت کو ابن الی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو صالح السمان عن مالک الداری کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ لیکن تین وجہوں سے یہ واقعہ ناقابل استدلال ہے:

(۱) یہ قصہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ واقعہ کا اصل راوی مالک الداری ہے جو مجھوں ہے جب تک اس کی عدالت اور ضبط کا علم نہیں ہو گا۔ یہ واقعہ ساقط الاعتبار ہو گا۔ حافظ ابن حجر نے جو یہ کہا ہے: ((بأسناد صحيح من روایة ابی صالح السمان)) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سندًا ابو صالح السمان تک یہ روایت صحیح ہے۔ مالک الداری کے حالات کا چونکہ حافظ ابن حجر کو علم نہیں ہو سکا تھا اس لئے انہوں نے اس کی بابت خاموشی اختیار کر کے ابو

صلح تک سلسلہ سند کو صحیح قرار دے دیا، مقصود یہ تھا کہ مالک الداری کی عدالت و ضبط کی بھی اگر توثیق ہو جائے تو یہ روایت بالکل صحیح ہو گی۔ بصورتِ دیگر غیر صحیح۔ ان کی صحیح کا مطلب پوری سند کی صحیح نہیں ہے اگر پوری سند ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو وہ اس طرح کہتے: ((عن مالک الداری و استناده صحيح)) لیکن حافظ ابن حجر نے اس طرح نہیں کہا۔ اس لئے جب تک واقعہ کے اصل راوی --- مالک الداری کی توثیق ثابت نہیں ہو گی، یہ واقعہ ناقابلِ جحت ہو گا۔

(۲) یہ قصہ سند آصحیح ہو تب بھی جحت نہیں اس لئے کہ مُصنف ابن الیثیب کی روایت کا، ایک آدمی پر مدار ہے جو نامعلوم اور مجہول ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سیف بن عمر کے حوالے سے اُس نامعلوم آدمی کا نام بلاں بن الحارث (صحابی) بتلیا ہے حالانکہ سیف بن عمر خود محدثین کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے بلکہ اس کی بابت یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ شفہ راویوں کے نام سے من گھڑت حدیثیں بیان کرتا تھا۔ ایسے کذاب ووضاع راوی کے بیان پر یہ کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر پر جاکر عرض گزار ہونے والے ایک صحابی بلاں بن الحارث المزنی تھے؟

(۳) بالخصوص جب کہ مستند اور صحیح روایات سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ طرزِ عمل ثابت ہے کہ انسوں نے قحط سالی کے موقعے پر نبی ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر استغاثہ نہیں کیا بلکہ کھلے میدان میں نمازِ استسقاء کا اہتمام کیا جو ایک منسون عمل ہے اور اس میں زندہ بزرگ عَمَّ رسول حضرت عباس رض سے ڈعا کروائی۔ یہ واقعہ حضرت عمر رض کے زمانے کا ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رض کے زمانے میں قحط پڑا تو انسوں نے بھی ایک اور صحابی رسول سے ڈعا کروائی۔ ان مستند واقعات اور اکابر صحابہ کے طرزِ عمل کے مقابلے میں ایک غیر مستند روایت اور وہ بھی خواب پر مبنی، نیز مجہول شخص کے بیان کو کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ مذکورہ وجوہ سے گانہ کی وجہ سے مصنف ابن الیثیب کی یہ روایت کسی طرح بھی قابلِ استدلال نہیں رہتی۔ تاہم اگر اسے کسی درجہ میں قابلِ جحت تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس آدمی کو یہی ہدایت کی کہ حضرت عمر

بُنْجَشْتُ کے پاس جاکر کہو کہ وہ لوگوں کو ساتھ لے کر دعا کریں یعنی نمازِ استقاء کا اہتمام کریں۔ چنانچہ حضرت عمر بن بُنْجَشْت نے ایسا ہی کیا۔ نبی ﷺ نے قبر پر آنے والے شخص کو یہ نہیں کہا کہ اچھا میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں یا کروں گا یا تم لوگ میری قبر پر جمع ہو کر آؤ بلکہ آپ نے دعا کا مسنون طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔

”الادب المفرد“ کی ایک روایت سے استدلال اور اس کی حقیقت

ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مصیبت اور تکلیف کے وقت پکارنے کے بارے میں ”الادب المفرد“ ص: ۱۳۲ میں، زیر عنوان «باب ما يقول الرجل اذا خدرت رجله» لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاکوں سُنْ ہو گیا تو ایک آدمی نے انہیں کہا کہ ایسے انسان کو یاد کیجئے جس کے ساتھ آپ کو سب سے زیادہ محبت ہے تو انہوں نے پکارا (یہا مُحَمَّد) ((اور ان کی تکلیف ذور ہو گئی))

سند آیہ واقعہ بھی صحیح نہیں، تاہم فی الحال اس کی سند کی بحث سے قطع نظر مسئلہ زیر بحث سے اس واقعے کا کوئی تعلق نہیں کیوں کہ بحث تو ہے فوت شد گان کو مدد کے لئے پکارنا جائز ہے یا نہیں۔ جب کہ مذکورہ واقعے میں جسمانی تکلیف کا ایک نفیاتی علاج بتلایا گیا ہے جسے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا انہوں نے ((محمد)) یا ((یا محمد)) (اب اخلاف روایات) اس عقیدے کے تحت نہیں پکارا کہ آپ ان کی فریاد سن لیں گے اور پھر مدد فرمادیں گے بلکہ کسی نے پیروں کے سُنْ ہو جانے کا یہ علاج بتلایا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب شخص کا نام لو، تو یہ تکلیف ذور ہو جائے گی۔

اس کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ محبوب کے ذکر سے انسان کے دل میں حرارت اور نشاط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے مجدد خون روائیں ہو کر رگوں میں دوڑنا شروع کر دیتا ہے اور یوں سُنْ والی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اور واقعات بھی ایسے ملتے ہیں جن میں لوگوں نے اپنے محبوب یا محبوبہ کا نام لیا تو ان کا پیروں کا سُنْ پتا ختم ہو گیا۔ ملاحظہ ہو: (الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النبویہ، ج: ۲، ص: ۲۰۰، محمد بن علان

الصدیقی۔ فضل الله الصمد فی توضیح الادب المفرد، فضل الله الجیلانی، ج: ۲، ص: ۳۳۱، المکتبۃ الاسلامیہ، حمص) اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیر سن ہونے کی صورت میں اپنے کسی محبوب کا نام لینا اور اُسے محبت سے یاد کرنا، یہ اس مرض کا نفیاتی علاج ہے، اس کافوت شدگان سے استغاثہ واستداد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ندا کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ "منادی" ضرور سامنے ہو یا وہ ندا کو سنے بلکہ بعض دفعہ اپنے جذبات کے اظہار اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے بھی "منادی" کو اپنے ذہن میں مستحضر کر کے خطاب کر لیا جاتا ہے، یہاں بھی یہی صورت ہے۔ ایسے حضرات کی دو اور "دلیلیں" ملاحظہ فرمائیں جن سے انہوں نے مُردوں سے مدد مانگنے کے جواز پر استدلال کیا ہے، کہتے ہیں کہ "حضرت عزرا تسلیل علیہ مُردوں کو پکاریں گے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ شَیْخُنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مُردوں پر نندوں کو پکارا۔" غور فرمائیے! یہ کیا "دلیلیں" ہیں؟ ان کو "دلیل" کہا جا سکتا ہے؟ بھلا ان سے کوئی پوچھئے، حضرت عزرا تسلیل مُردوں کو پکاریں گے تو کیا ان سے مدد طلب کرنے کے لئے صور پھونکیں گے؟ قیامت کے صور پھونکنے کو یہ باور کرانا کہ حضرت عزرا تسلیل بھی مُردوں کو پکاریں گے لہذا تم بھی مُردوں کو مدد کے لئے پکار سکتے ہو۔ بڑا ہی عجیب استدلال ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پرندوں کو پکارنا، کیا ان سے مدد طلب کرنے کے لئے تھا؟ یا اپنے اطہیان قلب کے لئے مُردوں کو زندہ ہوتے دیکھنے کے لئے تھا؟ اس سے یہ استدلال کرنا "کہ مُردوں کو پکارنا جائز ہو گیا، لہذا اے مسلمانو! تم بھی مدد کے لئے مُردوں کو پکارو!" قرآن فتحی کا عجیب و غریب شاہکار ہے۔

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی

اسی طرح یہ لوگ قرآن کریم کی متعدد آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح "پکار" کا مضمون ہے۔ مثلاً: نوح علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے فریاد:

”اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن پکارا (توحید کی دعوت دی)۔“

ویگر انبیاء کا اپنی قوموں کو پکارنا، اللہ کا پکارنا:

﴿وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَيْهِ دَارِ الْسَّكِينَ﴾ (یونس ۲۵/۱۰)

”اللہ تعالیٰ دارالسلام کی طرف پکارتا ہے۔“

بتلایے! ان آیات کا کوئی تعلق اس ”پکار“ سے ہے جو مابہ الزراع ہے؟ پھر ان آیات کے جمع کرنے کا کیا فائدہ؟ اصل اختلاف تو اس ”پکار“ میں ہے جو مافوق الاسباب طریقے سے کسی مردہ کو مشکل کشائی اور مدد حاصل کرنے کے لئے پکارا جاتا ہے۔ یہ شرک ہے کیوں کہ اس طریقے سے کسی مردہ کو پکارنا، یہ اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ یہ خود بھی مانتے ہیں چنانچہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ: ”اللہ تبارک و تعالیٰ جس بات کی ممانعت فرماتا ہے“ وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ کسی کو ”اللہ“ معبدو--- ”عبادت کے لاائق“ سمجھ کر نہ پکارا جائے۔

بالکل یہی بات ہم کہتے ہیں، پھر اختلاف کیوں؟ اختلاف یہ ہے کہ یہ حضرات یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی کو معبدو سمجھ کرنے پکارا جائے لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ کسی فوت شدہ بزرگ کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لئے پکارنا، اس سے دعائیں کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس سے نفع و ضرر کی امید رکھنا یہ اس کو ”اللہ“ اور ”معبدو“ ہی بنانا ہے اور یہی وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں کیوں کہ بھی بھی عبادت ہے، نذر و نیاز بھی عبادت ہے جو اللہ کے ساتھ دوسروں کے لئے بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ سے بھی دعائیں کرتے ہیں مردہ بزرگوں سے بھی دعائیں کرتے ہیں، اللہ کے نام کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں اور بزرگوں کے ناموں کی بھی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ اللہ سے بھی نفع و ضرر کی امید رکھتے ہیں اور فوت شدہ بزرگوں سے بھی مافوق الاسباب نفع و ضرر کی امید رکھتے ہیں۔ اللہ کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں اور اللہ کے نبیوں اور ولیوں کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں۔ اللہ کو بھی ذور اور نزدیک سے فریادیں سننے والا تسلیم کرتے ہیں اور بزرگوں کے اندر بھی یہ

قوت یا صفت تسلیم کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ شرک اسی چیز کا نام ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی عبادت میں شریک کر لیا جائے، یا اللہ کی صفات میں سے کوئی اور صفت کسی اور میں تسلیم کر لی جائے اور نہ کوہ ان غال سارے ایسے ہیں کہ ان میں یا تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت ہوتی ہے یا اللہ کی صفت میں مُردوہ بزرگوں کو شریک سمجھا جاتا ہے۔ یہ حضرات اس شرک صریح کا ارتکاب کرتے ہیں یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کرتے ہیں یا اللہ کی صفات بزرگوں میں مانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم تو شرک نہیں کرتے، کیونکہ شرک تو اس وقت ہوتا ہے جب ہم انہیں معبد سمجھ کر پکارتے۔ حالانکہ جب ان کے اندر الٰہی صفات تسلیم کر لیں گئیں یا اللہ کی طرح ان کو حق عبادت میں شریک کر لیا گیا تو وہ ”معبد“ تو بن گئے۔ آپ انہیں معبد کہیں یا نہ کہیں، جب معبد والی چیزیں ان کے لئے مان لیں گئیں تو وہ ”معبد“ از خود بن گئے۔ جس طرح پھر کی مورتی کی پوجا کرنے والا بھی اس (مورتی) کو خدا یا معبد نہیں سمجھتا بلکہ اسے اللہ کا مظہر یا اوتار سمجھ کر اس سے دعائیں کرتا ہے اس کے نام پر چڑھاوے چڑھاتا ہے یعنی نذر دیتا ہے۔ اس سے نفع و ضرر کی امیدیں رکھتا ہے اور اسے فریاد رس اور حاجت رو سمجھتا ہے۔ مسلمان اس کے بارے میں عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ مشرک ہے۔ کیوں کہ پھر کی مورتی کی پوجا کرتا ہے حالانکہ وہ اسے معبد نہیں سمجھتا اور نہ معبد سمجھ کر اسے پکارتا ہی ہے۔ اسکے باوجود وہ مشرک ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ وہ مورتی کو معبد سمجھتا ہے یا نہیں سمجھتا، لیکن اسکے ساتھ اس پجاري کا معاملہ وہی ہے جو ایک عابد اور معبد کے درمیان ہوتا ہے۔ اسلئے وہ یقیناً مشرک ہے۔

لیکن یہی مسلمان قبروں کے ساتھ یا مردہ بزرگوں کے ساتھ یہی کچھ کرتا ہے تو کہتا ہے یہ شرک نہیں، کیوں کہ میں اسے معبد سمجھ کر نہیں پکارتا۔ اگر یہ دلیل صحیح ہے اور اس طرح شرک، شرک نہیں رہتا تو پھر ہندو بھی مشرک نہیں رہتا کیوں کہ وہ بھی مورتی کو معبد نہیں سمجھتا ہے۔ مشرکین مکہ بھی مشرک نہیں، کیوں کہ وہ بھی لات و غریبی اور منات و ہبل کو معبد نہیں سمجھتے تھے وہ بھی ان کو اللہ کا وسیلہ اور ذریعہ، تقریباً سمجھتے تھے۔ (جیسا

کہ خود قرآن نے اس کی وضاحت کی ہے)۔ قومِ نوح جن پانچ بتوں کو پوجتی تھی وہ بھی معبود نہیں تھے۔ اللہ کے نیک بندے ہی تھے (جیسا کہ صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے) اس لحاظ سے تو قومِ نوح نے بھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا اور قرآن دیگر مشرکوں کے بارے میں بھی کہتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْ تَأْلِكُمْ﴾ (الأعراف/٧)

”جن کو تم اللہ کے سوا پاکارتے ہو وہ تم جیسے ہی بندے ہیں۔“

گویا کسی دور میں بھی ایسے شرک کا وجود نہیں رہا کہ جس میں غیراللہ کو معبود سمجھ کر پکارا گیا ہو بلکہ ہر دور میں شرک کی نوعیت یہی رہی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی ہی تصویریں، مورتیں، یا قبریں یہ سمجھ کر پوچی جاتی رہی ہیں کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے، وفات کے بعد اللہ سے ان کا ”وصال“ ہو گیا ہے اور یہ اب اللہ کے مظرا اوتار ہو گئے ہیں، ان کے ذریعے ہی سے ہم اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں، ان کے ویلے ہی سے ہماری دعا کیں اور الجایسین سنی جاسکتی ہیں اور ان کے نام نذر و نیازیں دے کر ہی ہم اللہ کو راضی کر سکتے ہیں۔

قرآن نے اسی عقیدہ و عمل کو شرک کہا ہے اور اس کے مرتكبین کو مشرک، اگر قرآن کریم کی صراحت صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے نیزان حضرات کا عقیدہ و عمل بھی وہی ہے جو گذشتہ مشرک قوموں کا عقیدہ رہا ہے۔ تو ان کا شرک، شرک کیوں نہیں؟ محض عنوان بدلتینے سے تو شرک کی مہیت و حقیقت تبدیل نہیں ہو جائے گی۔ جب ان لوگوں کا عقیدہ و عمل بھی فوت شدگان کے ساتھ وہی ہے جو مشرک قوموں کا اپنے بتوں کے ساتھ رہا ہے تو پھر دونوں کے درمیان فرق و امتیاز کس طرح کیا جاسکتا ہے اور یہ کیوں کر قرین عدل ہو سکتا ہے کہ ایک کو تو مشرک قرار دیا جائے، جب کہ دوسرا شخص بھی وہی کچھ کرے تو اسے مشرک تسلیم کرنے سے گزی کیا جائے۔ ﴿تُلَكَ إِذَا قِسْمَةً ضَيْرَى﴾

”عبدات“ کے کہتے ہیں اور ”معبود“ کون ہوتا ہے؟

ایک صاحب لکھتے ہیں: ”مسجدوں میں یا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ کرنے سے

روکنے والے حضرات سورہ جن کی آیت: ۱۸ بھی پیش کرتے ہیں:

﴿ وَأَنَّ السَّجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ﴾ (الجن ۷۲)

”اور یہ کہ مسجدیں اللہ (بارک و تعالیٰ) کے لئے ہیں لہذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کوئی نہ پکارو۔“

تفصیل القرآن میں مودودی صاحب نے اس آیت کی تشریع میں لکھا ہے کہ ”مفسرین نے بالعموم ”مسجد“ کو عبادت گاہوں کے معنی میں لیا ہے اور اس معنی کے لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ عبادت گاہوں میں اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔ آیت قرآنی کا مقصد وندعا بھی حقیقتہ یہی ہے، مودودی صاحب کے پیروکاروں کو اور دیگر دیوبندی اور اہل حدیث حضرات کو فہم و فراست سے کام لینا چاہیئے اور ارشاد خداوندی کو سمجھنا چاہیئے۔ خواہ مخواہ کفر و شرک و بدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت کو خراب نہیں کرنا چاہیئے..... تَذَكُّرُوا كَمْعِنِ تَغْيِبِ الدُّنْيَا يَعْنِي بَنْدُگی یا عبادت آتا ہے..... اللہ (بارک و تعالیٰ) کے ساتھ کسی کو نہ پکارو یعنی کسی دوسرے معبدوں کو نہ پکارو۔“

اس اقتباس میں ایک تو یہ مخلصانہ مشورہ دیا ہے کہ خواہ مخواہ شرک و بدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت خراب نہیں کرنی چاہیئے کیوں کہ حدیث کے مطابق بلاوجہ کسی مسلمان کو کافر کرنے والا خود کافر قرار پاتا ہے۔ یہ مخلصانہ مشورہ بالکل بجا ہے۔ الحمد للہ ہم اس پر پسلے ہی عمل پیرا ہیں۔ ہم خواہ مخواہ شرک و بدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتے لیکن جہاں فی الواقع شرک ہو رہا ہو اس کی نشاندہی کرنا اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرنا تو وہ ضروری فریضہ ہے کہ اس میں مداخلت کا مظاہرہ کرنے والا گونگاشیطان قرار پاتا ہے۔ (السَّائِكُتُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ أَخْرُوشٌ) ”حق بات سے خاموش رہنے والا گونگاشیطان ہے۔“

ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ مسلمان نُشر کانہ عقاوم و اعمال سے تائب ہو جائیں جن میں وہ بد قسمتی سے بنتا ہیں، کیوں کہ شرک ایسا ظلم عظیم ہے جو ناقابل معافی ہے۔ إِلَّا یہ کہ آدمی دنیا ہی میں اس سے سچی توبہ کر لے۔ مسلمان عوام کے شرک پرستی کے مظاہر ہی ہمیں بے چین اور مضطرب رکھتے ہیں اور ان کی خیر خواہی ہی کا جذبہ ہے جو ہمیں حق گوئی کا

فریضہ ادا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جراح یا سرجن کے اپریشن سے مریض کو تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن مریض کی خیرخواہی کا تقاضا ہے کہ وہ اپریشن کے ذریعے سے گندامواد یا فاضل مواد باہر نکال پہنچنے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے بغیر مریض کی صحت یابی ممکن نہیں۔ اہل توحید شرک و بدعت کے خلاف یہی عملِ جراحی کرتے ہیں جس سے مریض کراہتا اور چیختا ہے تاہم علمائے اہل توحید مسلمان عوام کے سچے خیرخواہ ہیں اور وہ اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں اور عوام کی ناراضی کے باوجود انہیں شرک و بدعت جیسے خطناک امراض سے بچانے میں کوشش ہیں۔ (جزاهم اللہ وکثر اللہ فینا امثالہم)

دوسری بات موصوف نے یہ فرمائی ہے کہ ”اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو۔“ کا مطلب ہے ”اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔“ یہ بات بھی بالکل صحیح اور بجا ہے اور آیت میں پکار کافی الواقع یہی مطلب ہے کیوں کہ مطلق پکار عبادت نہیں ہے بلکہ وہ پکار عبادت ہے جو کسی کو مافق الاصابب طریقے سے مدد کے لئے ہو۔ اگر اللہ کو پکارا جائے گا یعنی اس سے مدد کی درخواست کی جائے گی تو یہ اللہ کی عبادت ہو گی، کسی پھر کی مورتی کو پکارا جائے گا یعنی اس سے مدد طلب کی جائے گی تو اس مورتی کی پوجا (عبادت) ہو گی، قبر میں مدفن کسی شخص کو پکارا جائے گا یعنی اس سے استغاثہ واستعانت کی جائے گی تو یہ اس بزرگ کی عبادت ہو گی۔

اس لیے مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ ”یا رسول اللہ“ کہنا جائز ہے یا نہیں، کیوں کہ اگر عقیدہ یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر نہیں ہیں تو وہ ”یا رسول اللہ“ کہہ لے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں، جس طرح ((التحیات)) میں ”السلام عليك ايها النبی“ کہا ہی جاتا ہے۔ اگر یہ حضرات بھی یہ تسلیم کر لیں کہ ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عالم الغیب، حاضر و ناظر، سمیع و بصیر اور دور و نزدیک سے فریادیں سننے والا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے، ہم کسی نبی، ولی اور بزرگ کے اندر یہ صفاتِ الہی تسلیم نہیں کرتے تو یقیناً ان کا ”یا رسول اللہ“ کہنا شرک نہیں ہو گا۔ اسے بے شکی ترتیب ضرور کہا جائے گا لیکن اسے شرک سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ ہی

صحیح نہیں ہے، اس لیے ان کا "یار رسول اللہ" کہنا مغض ("السلام علیک ایها النبی") کے قبل سے نہیں ہے کہ جسے جائز تسلیم کر لیا جائے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر ہیں، اس لئے جب ہم "یار رسول اللہ" کہتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ بھی ہماری اس ندائوں سنتے اور جانتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ مسئلہ اب صرف "یار رسول اللہ" کئنے یا نہ کئنے کا نہیں رہا بلکہ اب یہ اپنے منطقی نتیجے تک پہنچ گیا ہے اور "یار رسول اللہ مد" اور "المدد یا رسول اللہ" کے استکر ز بھی عام ہو گئے ہیں۔

پہلے صرف "یا علی مدد" کا نعروہ عام تھا۔ اہل توحید نے اس کے مقابلے میں کوشش کی کہ مسلمانوں میں اس مشرکانہ نفرے کی بجائے "یا اللہ مدد" کا نعروہ عام ہو۔ چنانچہ انسوں نے "یا اللہ مدد" کے استکر ز عام کیے۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ شیعوں کے ایجاد کردہ مشرکانہ نفرے سے اہل نعمت کے سادہ لوح عوام کو بچایا جائے مگر بریلوی حضرات نے "یا اللہ مدد" کے مقابلے میں "یار رسول اللہ مدد" کے استکر ز چھپوا لیے اور یوں ایک ایسا نعروہ ایجاد کر لیا جس میں اللہ کی مدد کی بجائے اللہ کی ایک برگزیدہ مخلوق پیغمبر سے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کی جا رہی ہے۔

ان سے پوچھا جائے "یا علی مدد" یا "یار رسول اللہ مدد" کے نعروں کا کیا جواز ہے؟ کیا یہ نفرے لگانے والوں کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرح حضرت علیؑ اور رسول اللہ ﷺ مافوق الاسباب طریقے سے اور دُور اور نزدیک سے ہماری فریادیں سن سکتے ہیں، ہماری مدد کر سکتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور کیا اس عقیدے کے ساتھ کسی کو پکارنا کی اس کی عبادت نہیں ہے؟ کیا یہ "عبادت" مسجدوں میں نہیں ہو رہی ہے؟ اور کیا یہ «وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا» کے صریحاً خلاف نہیں ہے۔

ایک استکر کا تجزیہ --- ایک دعوا نے بلا دلیل

بزم خیر اندیش و سن پورہ لاہور کی طرف سے ایک استکر چھپا ہے، جس میں لکھا گیا ہے: "پکارو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یار رسول اللہ، یا محمد، یار رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کئنے والا خوش نصیب ہے

اور شرک و بدعت کرنے والا منکر قرآن و حدیث ہے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین لکھتے ہیں جب تکیف اور پریشانی ہو تو پکارو: یا محمد، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو منه مانگا انعام دیا جائے گا۔“

ترتیب وار اسکا جواب اہل انصاف اور اہلِ داش کے سامنے پیش کیا جاتا ہے:

(۱) یا محمد، یا رسول اللہ۔ اس کا اردو ترجمہ ہے۔ اے محمد ﷺ، اے رسول اللہ ﷺ، یا اس میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اگر یہ خطاب صرف بطور محبت کے ہے جس طرح بعض دفعہ ایک محبت اپنے محبوب کو اپنے ذہن میں مستحضر کر کے اور اس سے خطاب کر کے عالم شوق اور وار فتنگی میں باتیں کرتا ہے، خطاب کرنے والے کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضور عالم الغیب ہیں یا حاضروناظر ہیں اور دور و نزدیک سے باتیں سننے پر قادر ہیں تو اس نظرے کو عشق و محبت کا ایک مظہر اور اس بنا پر اسے جائز تسلیم کیا جاسکتا ہے لیکن اگر کرنے والے کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ آپ عالم الغیب، حاضروناظر اور ہماری فریادیں سننے پر قادر ہیں تو یہ کہنا خوش نصیبی نہیں انتہائی بد نصیبی ہے۔ اس طرح یقیناً وہ شرک و بدعت کا ارتکاب کرتا ہے، جسے خوش نصیبی وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو توحید و نستت سے نا آشنا ہے محض ہو۔

(۲) اسے اہل توحید اسی بنا پر شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں عقیدے کی وہی خرابی پائی جاتی ہے، جو انسان کو شرک تک لے جاتی ہے جس طرح کہ فی الواقع اب اس کا ظموم شروع ہو گیا ہے اور اب ”یا رسول اللہ“ سے معاملہ بڑھ کر ”یا رسول اللہ مدد“ تک پہنچ گیا ہے۔ اس لئے اہل توحید، شرک پر مبنی خود ساختہ نعروں کا انکار کر کے ”قرآن و حدیث کے منکر“ نہیں بننے بلکہ قرآن و حدیث کے محافظ ہیں۔ (فللہ الحمد علی ذلک)

(۳) اسکر چھاپنے والوں نے دعویٰ تو یہ کر دیا ہے کہ حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو منه مانگا انعام دیا جائے گا لیکن ہم پورے یقین سے کہتے ہیں کہ انہوں نے الادب المفرد، تحفة الذاکرین (شوکانی)، کتاب الاذکار (نووی) عمل الیوم واللیلۃ (ابن السنی)، فتح الباری اور مصنف ابن ابی شیبہ، ان چھ کتابوں کا حوالہ دیا ہے لیکن کسی بھی کتاب میں یہ

الفاظ نہیں دکھائے جاسکتے کہ

”جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو یا محمد، یا رسول اللہ“

پہلی چار کتابوں میں صرف وہ واقعہ بیان ہوا ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پیر سن ہو گئے تو کسی نے کہا کہ آپ ایسے شخص کو یاد کریں جس سے آپ کو سب سے زیادہ محبت ہو تو انہوں نے کہا: ”محمد“ یا ”یامحمد“ اس کے تحت مؤلف نے باب بھی جو باندھا ہے وہ بھی یہ ہے کہ ”جب کسی کے پیر سن ہو جائیں تو وہ کیا کرے؟“ کسی ایک کتاب میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ”جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو یا محمد، یا رسول اللہ۔“

اسی طرح آخری دو کتابوں میں صرف وہ واقعہ بیان ہوا ہے جس میں مالک الداری کے حوالے سے خواب میں ایک شخص کو حضرت عمر بن الخطبؓ کے پاس جانے کے لئے کہا گیا ہے اور جس کی بابت ہم پہلے بیان کر آئئے ہیں کہ سند ایہ واقعہ ہی صحیح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ صحیح احادیث میں بیان کردہ طریقے کے بھی خلاف ہے۔ گویا ان دو کتابوں میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ: ”جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو: ”یا محمد، یا رسول اللہ“

یعنی چچہ کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اور کسی ایک کتاب میں بھی نہ کورہ الفاظ نہیں ہیں اسلئے ہم اسکر کے مرتب یا اسکے ناشر سے عرض کریں گے کہ وہ ”محمدین“ کی طرف منسوب، الفاظ نہ کورہ نکال کر دکھائیں یا پھر ہمیں منہ مانگا انعام دیں۔ ہمارا منہ مانگا انعام زیادہ نہیں، صرف ایک ہی بات ہے کہ مسلمان عوام کو صرف اللہ واحد کا پرستار رہنے دیں، انہیں غیر اللہ کا پرستار بنا کر انکی عاقبت خراب نہ کریں اور صرف ”یا اللہ مدد“ کے اسکر چھپوا کر تقسیم کریں تاکہ لوگ ”یا علی مدد“ یا ”یا رسول اللہ مدد“ جیسے مشرکانہ نعروں سے بچ جائیں۔

بسم اللہ کی بآسے استمداد لغير اللہ کا جواز؟

ایک اور صاحب نے بسم اللہ کی تفسیر میں بسم اللہ کی بآسے استدلال کرتے ہوئے مسئلہ استعانت و استمداد پر حسب ذیل الفاظ میں خامہ فرمائی کی ہے:

”ان تمام ذرائع و اسباب سے استعانت کرے جن کی مدد خدا کے مالک و معین ہونے کی

نشاندہی کر رہی ہے لیکن اسباب و ذرائع کو کبھی بھی مقصد کا بدل نہ بنایا جائے۔ انسان کو چاہئے کہ ان سب ذرائع سے حاصل ہونے والے منافع و نقصانات میں بھی اصل نظر خدا ہی کی قدرت مطلقہ پر رکھے۔ اس لئے بسم میں نام حق سے استعانت کی تعلیم دے کر ذریعہ کی اہمیت بھی واضح کر دی گئی اور اس کی اضافت اللہ الرحمن الرحيم کی طرف کر کے حقیقتِ حال کو بھی بیان کر دیا گیا۔ اگر غور و خوض اور فہم صحیح کے ساتھ اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا جائے تو مسئلہ استعانت واستدادر پر مذہبی حلقوں میں موجود علمی نزاع کافی حد تک مرتفع ہو سکتا ہے۔ ہندوستان کے دور آخرون کے علماء محققین کی تحقیقات و تصریحات کا بھی مطالعہ کیا جائے تو نہ کوڑہ بالا وضاحت کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دو علماء کے نقطہ ہائے نظر ملاحظہ ہوں۔ سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں ایاک نعبد و ایاک نستعين کے تحت مولانا فیض الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: ”ایاک نستعين میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عومنا اللہ کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کا کارکن دیکھے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے۔ عقیدہ باطلہ ہے کیوں کہ مقربانِ حق کی امداد امداد اللہ ہی ہے، استعانت بالغیر نہیں۔“

اب اسی آیت کے تحت متذکرہ بالا مفہوم کو مولانا محمود الحسن دیوبندی ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں: ”اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت اللہ اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ ہی سے استعانت ہے۔“

آپ نے ملاحظہ فرمایا دونوں عبارات کا مفہوم و مدعایاک ہی ہے۔ تسمیہ میں لفظ اسم کے استعمال سے بھی انسانوں کو یہی تعلیم دینا مقصود تھا کہ جملہ امور حیات میں مستغانِ حقیقی صرف ذات باری تعالیٰ ہے لیکن اس عالم اسباب میں ہر مخلوق و موجود کو خلاقی عالم نے اپنے فیضانِ رحمت اور اپنی مدد اعانت کے واسطے و مظہر کے طور پر تخلیق کیا ہے۔ جو ہستی ذات

حق کے جتنی قریب اور اسکے نور قدرت بے جتنی مستنیر ہو گی وہ اس قدر شان مظہرست میں بھی اعلیٰ واویٰ ہو گی۔ لہذا کار و بار حیات میں ماذی مسائل ہوں یا روحانی ان سے استفادہ و استدرا و بھی کیا جائے کہ نظامِ کائنات کا اصول بھی یہی ہے اور ہر ایک کی اعانت میں کار ساز حقیقی کے لطف و کرم پر بھی نظر رکھی جائے کہ تقاضائے بندگی یہی ہے۔“

ہماری گذارشات : اس اقتباس میں انہوں نے شرکِ جلی کی مرتجہ صورتوں کو صحیح اور جائز ثابت کرنے کے لئے وہی گھسی پٹی باتیں دہرانی ہیں جو قبر پرست عام طور پر کہتے ہیں جن میں کوئی معقولیت نہیں بلکہ اس میں بھی عوام کی جمالت سے ناجائز فائدہ اٹھانے ہی کی روح کا رفرما ہے۔

حالانکہ سوچ بوجھ رکھنے والا ہر باشور آدمی سمجھتا ہے کہ اسباب و ذرائع کے ماتحت ایک دوسرے سے تعاون و تناصر ایک الگ مسئلہ ہے اور ماورائے اسباب طریقے سے حاجت روائی اور مشکل کشائی الگ مسئلہ۔ اقل الذکر پر تو سارا نظامِ کائنات قائم ہے اور اس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا کوئی آدمی بھی دیگر انسانوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب کا نظام ہی ایسا قائم کیا ہے اور ایک دوسرے سے اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ ایک لکھ پتی بلکہ ارب پتی اور کھرب پتی بھی جب تک اپنے علاوہ دوسرے انسانوں سے امداد و تعاون حاصل نہیں کرے گا، وہ زندگی میں ایک قدم بھی نہیں چل سکے گا، انبیاء ﷺ تک بھی ان اسباب و ذرائع کے مطابق ہی زندگی گزارنے پر مجبور رہے ہیں۔ اس لئے ان اسباب و ذرائع کی اہمیت و افادیت ان کی ہمہ گیری و ناگزیری اور ہر شخص کے لئے ان کی احتیاج و ضرورت محتاج و ضاحت نہیں، نہ یہ مابہ النزاں ہے۔

اصل مسئلہ توجہ طلب جو ہے، وہ ہے ثالثی الذکر صورت، یعنی ماورائے اسباب طریقے سے اللہ کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا، مشکل کشا اور بنا فوج و ضار سمجھنا۔ کیا یہ بھی بالکل اسی طرح ہے جس طرح ماتحت الاسباب کسی سے امداد و تعاون حاصل کرنا؟ ظاہر بات ہے دونوں یکساں نہیں، انکے درمیان آسمان زمین کا فرق ہے، مشرق و مغرب کا بعد ہے، رات اور دن کا ہماقفاوت ہے۔ استدرا و استعانت لغیر اللہ کی بحث میں ماتحت الاسباب اور ما فوق الاسباب

کے عظیم اور نمایاں فرق کو نظر انداز کر کے مطلقاً اسے باب وذرائع کی افادیت و ناگزیری سے استدلال کرتے ہوئے یہ باور کرنا کہ فوت شدہ بزرگانِ کرام سے استمداد و استعانت (مدد چاہنا) اور ان سے حاجت روائی و مشکل کشائی کا طالب ہونا بھی جائز ہے اور اس کو شرک کہنا عقیدہ باطلہ ہے، جس طرح کہ مذکورہ اقتباسات میں دعویٰ کیا گیا ہے، ایک بہت بڑا مغالطہ، انتہائی بد دیناتی اور تلبیس کاری ہے۔

کیا قرآن و حدیث میں کہیں بھی یہ موجود ہے کہ فوت شدہ شخص کو اپنی مدد کے لئے پکارو کہ وہ بھی عونِ الٰہی کا مظہر ہیں؟ کیا انبیاء ﷺ نے اپنے پیشو و پیغمبروں سے استمداد و استعانت کی؟ کیا صحابہ کرام نے قبروں میں مدفون بزرگوں سے اپنی حاجات طلب کیں؟ انہیں نفع و ضرر کا مالک سمجھا؟ اور آج کل قبروں پر جو کاروباریات و منات کی گرم بازاری ہے کیا عمد صحابہ و تابعین میں اس کی کوئی مثال کسی صحیح سند سے ملتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر الفاظ کی شعبدہ بازی اور تاویلات کی تلبیس کاری سے شرک کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ شرک، شرک ہے چاہے اس کا مرتكب پھر کا بچاری ہو یا کسی قبر کا مجاور یا کسی فوت شدہ بزرگ سے استمداد و استعانت کرنے والا۔ کیوں کہ یہ سب غیر اللہ میں خدائی صفات تسلیم کرتے ہیں۔ ہندو کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ وہ جس پھر (مورتی) کی پوجا کر رہا ہے وہ مافوق الاسباب طریقے سے اس کی حاجت روائی پر قادر ہے، قبر کا مجاور بھی قبر میں مدفون جعلی یا حقیقی بزرگ کی بابت یہی عقیدہ رکھتا ہے اور ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود شیخ عبد القادر جیلانی سے استمداد کرنے والے شخص کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہ سب اپنے اپنے بزرگوں اور معبدوں کو خدائی صفات کا حامل سمجھ کر انہیں مدد کے لئے پکارتے ہیں اور انہیں مافوق الاسباب طریقے پر فریاد رس سمجھنا، حاجت روائی و مشکل کشائی سمجھنا اور بنا فوج و خسار سمجھنا، یہی شرک ہے کیوں کہ دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننا اور ماورائے اسے بطب طریقے سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنا، یہ صرف اللہ وحدہ لا شریک له کا کام ہے، یہ صفات اللہ کے سوا کسی اور میں اگر تسلیم کی جائیں گی تو شرک ہو گا۔

اس کتاب کے مندرجات فرزندان امت مسلمہ کی بچی خیر خواہی اور ہمدردی کے

محضانہ جذبات کے ساتھ نذر قارئین کئے گئے ہیں تاکہ تمام مسلمان بھائیوں کے عقائد کی اصلاح ہو سکے اور عقیدہ توحید اور کتاب و سنت کی بنیاد پر اتحاد بین المسلمين کا جذبہ فروغ پا سکے۔ اس لیے کہ جب تک عقیدہ درست نہیں ہو گا کوئی عبادت یا نیک عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ قبولیت کو نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو زبغ و ضلال اور شرک و بدعت سے بچائے اور انہیں صراط مستقیم کو سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

إِنْ أَرِيدُ إِلَّا إِصْلَاحًا مَا أَسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ
تَوْكِلْتُ وَإِلَيْهِ أَنِيبَ

وَصَلَّى اللَّهُ عَلَىٰ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ وَمَنْ تَبَعَهُمْ
بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ



TRUEMASLAK@INBOX.COM

اکیت مختصر کربلاج تفسیر
صحیح احادیث کی روشنی میں

تفسیر حسن البیان

(الو) تفسیر حافظ صلاح الدین يوسف
لقویٰ بن مصطفیٰ الرحمٰن ببارکپوری

تبلیغی جوگز کے نہ رکھتے
اللہ والی عبادت زین الدین وابن مسلم اللہ عزیز کا
مختصر تفسیر حسن البیان میں مختصر تفسیر حسن البیان میں
کامختصر ازاد زبان میں پہلی بار

تائید،
ابو ذر گفاری حسن بن شیف التوفی
ترجمہ و فائدہ،
حافظ صلاح الدین سعید

ریاض الصداقین (الو)

مالیعہ میں پڑھائیتے والا
امدادی شیار کا قبول تین گز بخود

تبلیغ،
ابو ذر شہاب الدین احمد بن حنبل
شان، مولانا مصطفیٰ الرحمٰن ببارکپوری

بیون غ المرا

فہمی حکایت مسائل کا اندازی گھر پر پڑھتے

تبلیغ،
محمد امدادی حسینی
معجم احادیث و محدثین الائمه

المریم منهاج

کتاب نندگی کا اندازی گھر پر پڑھتا
نندگی کے مہضے کا سرگیال

سیرۃ خواری میں عالمی ایجاد اور مصنعت کے قدرے
تحلیلیات نبوت

تبلیغ،
امدادی شیار کا قبول تین گز بخود
لسوہ حند کا خوبصورت منکر



دارالسلام
کتاب و ثبت ای ایامت کا عالیہ ادارہ
دینیات، سیاست، کشاورزی، آموزش
لست، تحریکات، تعلیمات